

2020ء

نومبر

ماہنامہ انٹرنیشنل

# لاہور

ایڈیٹر  
منزہ خان

سپریسٹ اعلیٰ  
و چیف ایڈیٹر  
محی الدین عباسی

بیک وقت "انگریزی" اور "اردو" زبان میں لندن سے شائع ہونے والا جریدہ

ماہنامہ لاہور انٹرنیشنل: ادبی، سیاسی، علمی و مذہبی سرگرمیوں کا ترجمان



[www.lahoreinternational.com](http://www.lahoreinternational.com)



صفحہ  
48



[www.YouTube.com/lahoreinternational](https://www.YouTube.com/lahoreinternational)



Your favourite Monthly Magazine

Lahore International

is relaunching its **YouTube** Channel

►Subscribe

now for great content!!

Where we go deep into the streets of Pakistan to bring you exclusive enjoyable content.

Head over to **YouTube** and check it out

# ZINGMAAR

EASY TO FOLLOW  
UNIQUE RECIPES FROM  
AROUND THE WORLD

FOLLOW @ZINGMAAR



# اس شمارہ میں

دہ برق لاد کر کر	04
دنیا بھر میں کرونا وائرس کے نقصانات اور فائدہ (ایک تجزیہ)	05
ملزم جناح حاضر ہو! قائد اعظم پر اعتراضات کامل جواب کراچی میں اپنی شاخت چھپائے کتنے یہودی آباد ہیں؟	07
راولپنڈی کے پاری، کہاں سے آئے کہاں چلے گئے؟	11
انگریزوں کے سب سے بڑے خوشامدی: سریداحمد خان؟	14
جو گندرناتھ منڈل: پاکستان کے پہلے وزیر قانون جنہیں پاکستان میں ندار اور انڈیا میں سیاسی اچھوت سمجھا گیا	16
دریائے سندھ	18
مگنت بلستان صوبہ بننے پر کشمیریوں کو اعتراض کیوں؟	24
کہو شہ۔۔۔ قلب پوٹھوار کوئی نے گا تو کیا کہے گا؟	25
در د کی رائجی و ہوپ میں خوشی ایک عرضی سایہ ہے	28
ہماری قومی وریاتی بے حصی کے سبب انڈس ڈفون کی محدود ہوتی ہوئی نسل انسان اور انسانیت	30
طب کا نوبل انعام دو امریکی، ایک برطانوی سائنس دان کے نام	32
جب بابا کھیم سنگھنے ایک رات میں سڑک بنوادی	33
جنگ، امن اور چرچ میں افراد کی پہچان سفید چھپری	36
گردنیک اور: 16 برس کی ایوا مورلو جو ایک دن کے لیے فن لینڈ کی وزیر اعظم بن گئیں	39
لاڑکانہ میوزیم میں رکھی گینداور چڑیا سے پاکستانی کرکٹ کی تین نسلوں کی جذباتی وابستگی لداخ کا چین بھارت تصادم اور کشمیر کا مقدمہ	40
سنہرہ اسلامی دور: عرب فلسفے کی بنیاد رکھنے والے الکنڈی کون تھے اور ان کی سائنس کے لیے کیا خدمات ہیں؟	42
اقتباس: کتنا اور چالیس ڈول پانی ڈیکھنا... ضعیف العمر افراد میں تیزی سے پھیلتا رہا	44
گردنیک اور: 16 برس کی ایوا مورلو جو ایک دن کے لیے فن لینڈ کی وزیر اعظم بن گئیں	45
لاڑکانہ میوزیم میں رکھی گینداور چڑیا سے پاکستانی کرکٹ کی تین نسلوں کی جذباتی وابستگی	46
لداخ کا چین بھارت تصادم اور کشمیر کا مقدمہ	48
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ	53
سنہرہ اسلامی دور: عرب فلسفے کی بنیاد رکھنے والے الکنڈی کون تھے اور ان کی سائنس کے لیے کیا خدمات ہیں؟	56
اقتباس: کتنا اور چالیس ڈول پانی ڈیکھنا... ضعیف العمر افراد میں تیزی سے پھیلتا رہا	59
ڈیکھنا... ضعیف العمر افراد میں تیزی سے پھیلتا رہا	60

## ADVERTISEMENT TARIFF

(Effective : January 01, 2018)

	Monthly	Quarterly	Half Year	Yearly
Full Page	150	420	800	1530
Half Page	90	250	540	920
Quarter	50	140	270	510

(Price in UK Pound Currency)

خدا تعالیٰ کے فعل و حکم کے ساتھ  
ہواں ناصر  
بعد از خدا المحبش محدث محمد ناصر  
گرفراں بود۔ سخندا سخت کا فرم



علمی، ادبی، سیاسی، معاشی، معاشرتی و مذہبی سرگرمیوں کا علمی مجلہ

جلد نمبر: 5 شمارہ نمبر: 11 ربیع الاول 1442 نومبر 2020ء

- |                           |                 |
|---------------------------|-----------------|
| زیر انتظام                | ایڈیٹر          |
| عباسی اکیڈمی              | منزہ خان        |
| سرپرست اعلیٰ و چیف ایڈیٹر | انچارج گوشہ ادب |
| محی الدین عباسی           | مدثرہ عباسی     |

## ہمارے نمائندگان

ابن الائیں (برطانیہ)	سید مبارک احمد شاہ (بدارے)
+44-7940077825	+47-91698367
بال طاہر (کراچی، پاکستان)	طہینیر الدین عباسی (جزیرہ)
+92-3327051887	+49-15212005548
رحمت اللہ میر بلوچ (بیدر چیف بلوچستان)	محمد سلطان قریشی (کینیہ)
محمد ثناء اللہ (بیدر چیف سطحی چناب)	+41-6433112
چوبدری مقبول احمد (بھارت)	عبد الشمول چاند ( سعودی مرد)
+91-9988489365	+91-9988489365

قیمت فی شمارہ: 2 پاؤ نٹ

website : [lahoreinternational.com](http://lahoreinternational.com)

اپنی تحریریں اور تیکنی آراء درج ذیل ای میل پر بھجوائیں:

[lahoreintlondon@gmail.com](mailto:lahoreintlondon@gmail.com)

[m.abbasi.uk@gmail.com](mailto:m.abbasi.uk@gmail.com)

ماہنامہ لاہور میگزین انٹر نیشنل آپ کا پانار سالہ ہے  
اس کی اشاعت و ترویج میں بھر پور حصہ ڈالیے۔

# دہر سر قرآن نکریم

آیات مع ترجمہ:

وَلَقَدِ اسْتَهْزَئَ بِرَسُولِنَا مِنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالْأَنْذِيْنَ سَخِيْرٌ وَامْنُهُمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ (الانعام 11)  
اور یقیناً رسولوں سے تجھ سے پہلے بھی تم سخن کیا گیا پس ان کو جنہوں نے ان (رسولوں) سے تم سخن کیا انہی باتوں نے گھیر لیا جن سے وہ تم سخن کیا کرتے تھے۔

فُلْ سَيِّدُوا فِي الْأَرْضِ شَهَادَةُ الْأَنْظَارِ وَإِنَّهُمْ كَانُوا عَاقِبَةُ الْمُنْكَرِيْنَ (الانعام 12)  
تو کہہ دے زمین میں خوب سیر کرو پھر غور کرو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا (بد) انجام ہوا تھا۔

تفسیر:

اسی طرح پر ماموروں کی مخالفت خطرناک گناہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے حضور ہو سکتا ہے۔ ایمیں نے یہی گناہ کیا تھا۔ انبیاء علیهم السلام کے حضور شیاطین، بہت دھوکے دیتے ہیں۔ میرے نزدیک وہ لوگ بڑے ہی بد بخت ہیں جو اللہ تعالیٰ کے منشاء کے خلاف کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ذرہ ذرہ اس پر لعنت بھیجتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ معزز و مکرم اور مطاع ہو تو اس کی مخالفت کرنے والا تباہ نہ ہو تو کیا ہو۔ یہی سر ہے جو انبیاء و مرسل اور ماموروں کی مخالف ہمیشہ تباہ ہوئے ہیں۔ وہ جرم بغاوت کے مجرم ہوتے ہیں۔

پس کتابوں کے بعد رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے ورنہ انسان متکبر ہو جاتا ہے اور پہلا گناہ دین میں خلیفۃ اللہ کے مقابل یہی تھائی و اشتہنگی۔ اس میں شک نہیں کہ سنت اللہ اسی طرح پر ہے کہ ماموروں پر اعتراض ہوتے ہیں۔ ابھے بھی کرتے ہیں اور برے بھی۔ مگر اچھوں کو رجوع کرنا پڑتا ہے اور بڑے نہیں کرتے۔ مگر مبارک وہی ہیں جو اعتراض سے بچتے ہیں کیونکہ نیکوں کو بھی آخر مامور کے حضور رجوع اور سجدہ کرنا ہی پڑا ہے۔ پس اگر ملک کی طرح بھی ہو پھر بھی اعتراض سے بچے کیونکہ خدا تو سجدہ کرائے بغیر نہیں چھوڑے گا اور نہ لعنت کا طوق گلے میں پڑے گا۔

(حقائق الفرقان جلد اول صفحہ 398)

حدیث:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ عِصَابَةٌ تَعْرُوْلُهُنَّ وَهِيَ تَكُوْنُ مَعَ الْمُهَدِّيِّ إِنْسَمُهُ أَخْمَدُ۔ رواه البخاري في تاریخه۔

(انجم الثاقب حصہ دوم صفحہ 134)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک جماعت ہندوستان سے لڑے گی اور وہ مہدی کے ساتھ ہو گی جس کا نام احمد ہو گا۔ یہ روایت امام بخاری نے اپنی تاریخ میں درج کی ہے۔

نیز فرمایا:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَرْءِ الرَّبِيعِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَحْرُجُ نَاسٌ مِنَ الْمُشْرِقِ، فَيُؤْطِلُونَ لِلْمُهَدِّيِّ» يَعْنِي سُلْطَانَهُ۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الفتن باب خروج المہدی حدیث نمبر 4078)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن حارث سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مشرق سے کچھ لوگ ظاہر ہونگے جو امام مہدی علیہ السلام کی راہ ہموار کریں گے یعنی اس کی ترقی اور اس کے غلبے کے لئے کوشش کریں گے۔





میر اعلیٰ محبی الدین عبایی

# اداریہ دنیا بھر میں کرونا وائرس کے نقصانات اور فوائد (ایک تجزیہ)

دنیا بھر میں کرونا وائرس کا پھیلاوہ جاری ہے اور اب تک مصدقہ متاثرین کی تعداد 50 لاکھ سے زائد اور اموات کی تعداد 3 لاکھ 30 ہزار سے زائد ہو چکی ہے۔ دنیا میں تین صد یوں سے جو مختلف اقسام کے وائرس و قوع پذیر ہوئے ہیں ان میں یہ واحد وائرس ہے جس نے تمام دنیا کو بے بس اور لاچار کر دیا ہے۔ آج 4 ماہ کا عرصہ ہو گیا دنیا کے بڑے بڑے ماحر طبیعت، سائنسدان اور عظیم طاقتیں اس کی روک تھام اور بچاؤ سے ہمت ہار چکی ہیں۔ اور بے بس دکھائی دیتی ہیں۔ یاد رہے امریکہ میں اکتوبر 1929ء میں ایک بڑے معاشی بحران نے جنم لیا تھا اس کوتاری میں کسادی بازاری کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس بحران نے مالدار اور غریب ممالک کو یہاں طو ر پر اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ صنعتیں بند ہو چکی تھیں سرمایہ کاروں کی ساری جمع شدہ پونچی ڈوب گئی اور اقتصادی ترقی و خوشحالی قصہ پار یہ نہ بن گئی تھی۔ پوری دنیا میں بے روزگاری کی شرح میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اور کروڑوں افراد بے روزگار ہوئے عالمی تجارت کا مجموعی حجم 50 فیصد سے بھی زیادہ تنزل کا شکار ہو گیا۔ اس بحران کی شدت اتنی تھی کہ 1932ء تک امریکہ میں موجود ہر قابل ذکر بینک بند ہو چکا تھا۔

آج کرونا وائرس کی صورتحال یہ ہے کہ یہ جنوری 2020ء میں دنیا میں پھیلنا شروع ہوا۔ ابتداء میں عوام کا رو یہ سطحی اور غیر سنجیدہ تھا لیکن جوں جوں وائرس پھیلنا شروع ہوا تو مختلف ملکوں نے اس کے لئے سخت حفاظتی اقدامات کئے۔ ساری دنیا میں طویل لاک ڈاؤن کی بنا ہزاروں لاکھوں کمپنیاں بند ہو چکی ہیں۔ اور کروڑوں افراد اپنی ملازمتوں سے عارضی یا مستقل طور پر فارغ ہو چکے ہیں۔ عالمی ادارہ (IMF) کے مطابق اس سال عالمی معیشت کو 3 فیصد خسارے کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس اعتبار سے یہ تمام سابقہ ریکارڈ توڑ دے گا۔ ماہرین کا خیال ہے کہ ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک اقتصادی مشکلات اور زبوبوں حالی کے اعتبار سے آنے والا وقت کو ساد عظیم کی بھیانک یادوں کو تازہ کر سکتا ہے۔ کرونا کے لاک ڈاؤن کی وجہ سے دنیا کے چھوٹے بڑے شہر قرنطینہ میں چلے گئے ہیں۔ اس کی وجہ سے ہوابازی، سیاحت، تاریخی مقامات، ریستوران ہٹوں، کلبز سب بند پڑے ہیں ان کی صنعت بڑی طرح متاثر ہوئی ہے۔

بعض ماہرین کا خیال ہے یورپ اور دیگر ممالک میں یہ وباء نومبر دسمبر تک ختم ہو جائے گی۔ یاد رہے ماضی میں طاعون اور اسپینش فلوجی میں جوں میں ختم ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اس لئے بعض ماہرین یہ قیاس کرتے ہیں۔ یورپ میں طاعون اور اسپینش فلوجیا تو اس نے ایشیاء اور افریقہ کو پہنچی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ لیکن کرونا وائرس نے تو ساری دنیا کے 129 ممالک کو پہنچی لپیٹ میں لیا ہوا ہے۔ اس کے نقصانات کا تجزیہ کرتے ہوئے عالمی خیراتی ادارے آسٹریلیا نے خبردار کیا ہے کہ کرونا وائرس سے پیدا ہونے والے معاشی اثرات عالمی غربت میں تقریباً نصف ارب تک کا اضافہ کر سکتے ہیں۔ آسٹریلیا نیشنل یونیورسٹی اور گلنگز کالج لندن کی تحقیق کے مطابق یہ 30 سال میں پہلی مرتبہ ہو گا۔ جب عالمی سطح پر غربت میں اضافہ ہو گا۔ مددیہ کہ اگر وائرس سے پیدا ہونے والے حالات کے سبب معاشی بھی بحران سے کہیں زیادہ ہو گا۔ اور عالمی سطح پر غربت میں بڑا اضافہ ہو گا۔

اقوام متحدہ کی رپورٹ عالمی بینک کے مطابق اس وائرس کے اثرات کے باعث 2030ء تک غربت ختم کرنے کے ہدف کے لئے ایک بڑا چلنٹ ہو گا۔ اس ضمن میں عالمی تنظیموں نے ترقی پذیر ممالک کے قرضوں کی ادائیگی اس سال معاف کرنے کی اپیل کی تھی۔

کرونا وائرس سے پاکستان میں ایک کروڑ 12 لاکھ افراد بیرونی ہوئے کا خدشہ ہے۔ 2 ہفتہ قبل ایشیاء ڈوپلیٹ بینک کی رپورٹ کے مطابق کرونا سے صوبہ پنجاب کو 23 کھرب روپے کا نقصان ہو گا۔ بہر حال ان چار ماہ میں دنیا کی معیشت بری طرح متاثر ہو چکی ہے اور ابھی آگے کا کچھ علم نہیں کہ یہ سلسلہ رکتا ہے یا نہ یہ چلے گا۔ تاریخ

کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ عذاب الٰہی اور قدرتی آفات کی ایک بھی تاریخ ہے جو مختلف قسم کے وائز سے انسانی جانوں کو ضیاع کر جگی ہے۔ قیاس ہے کہ اس کے بعد کئی جنیاتی وائز کے پھیلنے کا اندیشہ ہے۔ یہ تو قدرت کا اصول ہے کبھی خوشی کبھی غم یعنی زندگی میں اُتار چڑھاؤ نفع و نقصان ہر جگہ نظر آتے ہیں اور ثابت اور منفی پہلو ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ قدرت کے اس اصول کو وائز کے تناظر میں دیکھا جائے تو ہمیں اس کے کئی ثابت پہلو فوائد بھی نظر آئیں گے۔ اس وائز نے بنی نوع انسان کو ایک دوسرے سے پیار کرنا اور اپنے رب کے آگے جھکنا اور دعا نہیں کرنا سکھا دیا ہے۔

کئی ممالک میں تو اس کے لئے اجتماعی دعائیں بھی کروادی گئی ہیں۔ ماہرین معاشیات کے مطابق عالمی منڈی میں خام تیل کی قیمتوں میں کمی کے بعد تیل درآمد کرنے والے ملکوں کی معیشت کو فائدہ ہو سکتا ہے وہ تیل درآمد کر کے اربوں ڈالر بچا سکتے ہیں۔

دنیا میں فضائی آلووگی میں نمایاں کمی واقع ہوئی ہے۔ موسمیاتی تبدیلی پر نظر رکھنے والے ادارے نے بتایا ہے کہ فضائی آلووگی سے آلووہ شہروں کا اثر کوالٹی انڈس کس بہت بہتر ہوا ہے۔ مختلف شعبوں سے وابستہ افراد ان دونوں گھروں میں بیٹھ کر کام کر رہے ہیں جو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔ اس سے انہیں سکھنے کے موقع مل رہے ہیں اور ٹیلی ورکنگ کے نت نئے طریقوں سے آشنا ہو رہے ہیں۔ علاوه ازین مختلف ممالک میں سیر و تفریق کے مقامات پر عوام کا رش نہ ہونے کی وجہ سے دہائی اور گلیاں شاہراں میں بھی صاف نظر آ رہی ہیں۔ دنیا میں فضائی آلووگی میں خطرناک حد تک اضافہ ہوا ہے۔ جس پر قابو پانے کے لئے عالمی ادارہ نے کئی پروگرام مرتب کئے اور کئی تدبیر اختیار کریں۔ جس میں گاڑیوں کو مکمل طور پر بجلی یا بیٹری سے چلانے کے منصوبے ہیں۔

علاوه لاک ڈاؤن کی وجہ سے فضائی آلووگی میں بہت کمی واقع ہوئی ہے۔ ساری دنیا میں رہنے والے لوگوں کو آسمان پر چاند تارے واضح نظر آنے لگے ہیں۔ لندن شہر میں ہم کو عید کا چاند صاف واضح دیکھنے کو ملا۔ اب آسمان پر طیاروں کا شور اور ہواں کمیں نظر نہیں آتا۔ اس کے ساتھ ہی فضائی اور سمندری جانوروں نے سکھ کا سانس لیا ہے چند دوپرندی اقسام اور سمندری و دیگر مخلوقات کی خوشیاں دو بالا ہو گی ہوں گی جس طرح آسمان اب صاف دکھائی دیتا ہے اسی طرح سمندر، دریا، جھیلیں صاف نظر آتی ہیں۔ علاوه ازیں دنیا میں لاک ڈاؤن کے باعث اسٹریٹ کر اکم، پولیس مقدمات، ڈیکٹ، انگو، ٹارگٹ کلینک، دھینگا مشتی، ٹریفک حادثات گھر بیلوں تشدی غرضیکہ کی قسم کی برائیوں میں کمی آتی ہے اور کئی قسم کی طبی بیماریوں کے باعث اموات میں کمی واقع ہوئی ہے۔ مزید برآں جن ممالک کے آپس کے تعلقات جھگڑے اور جنگی جنون اسلوک کا استعمال ناجائز طور پر استعمال ہو رہا ہے حکومت اور عوام نے اطمینان و سکھ کا سانس لیا ہے۔

بہر صورت ہر دو پہلو ثبت اور منفی دونوں اُجاگر کر دیئے ہیں ان دونوں کے پیش نظر ہمیں بہتر مستقبل اور بہتری کے لئے اقدامات اٹھانے چاہئے اور اپنے رب کی رضا پر راضی رہنا چاہئے۔ یہ اُسی کا کام ہے اور وہی بہتر جاتا ہے دنیا اور اس کی مخلوق کو کس طرح چلانا ہے۔ ہمیں یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ آسمانی آفت ہے اور اپنے وقت پر ہی ختم ہو گی۔ اس میں اپنی بد اعمالیاں یا گناہ تلاش نہ کریں آفتی ہیں اور اپنے وقت گزار کر چلی جاتی ہیں ہمیں ثابت قدم رہنا ہے۔ اور آئندہ کے لئے سوچنا ہے۔ بس تمام سے ایک التجاء ہے کہ آج دنیا پر جو قہر طاری ہے ابھی بھی وقت ہے لوگو! خدا سے گڑگڑا کر معافی اور توبہ کرو وہ جلدی مان جاتا ہے اور بہت معاف کرنے والا ہے۔ ابھی بھی وقت ہے لوگو! اپنے حقیقی وحدہ لاشریک کو راضی کرلو۔ گزر وقت واپس نہیں آتا وہ اپنے بندہ کی فریاد کو سنتا ہے اور بار بار معاف کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے احکامات اور رسول کریم ﷺ کی تعلیمات اور نیک بزرگوں، ولیوں اور اپنے امام کی ہدایت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین



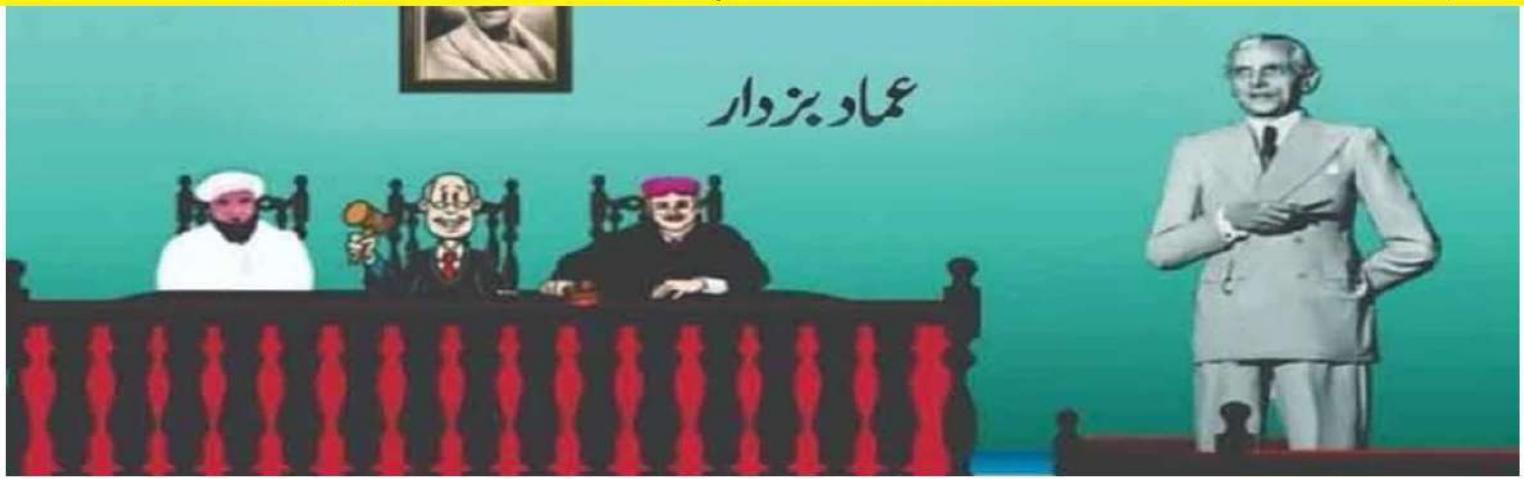
# ملزم جناح حاضر ہو! قائد اعظم پر اعتراضات کا مدلل جواب



تحریر: نعیم الرحمن

ملزم جناح حاضر ہو! عmad بزدار نے اپنی تاریخی کتاب میں بانی پاکستان پر اعتراضات کا بھرپور اور مدلل جواب دیا ہے

## عماد بزدار



پاکستان میں اپنے ملک کو غلط قرار دینا ایک عام روایہ ہے۔ بانی پاکستان قائد اعظم کشمیر کے سابق وزیر اعلیٰ اور نیشنل کانفرنس کے صدر فاروق عبداللہ نے گفتہ چینی کی زد میں رہتے ہیں۔ مذہبی جماعتوں نے تو قیام پاکستان کی مخالفت کی ہی حال ہی میں کیا ہے۔ تقسیم سے پہلے معاشی اور معاشرتی میدانوں میں مسلمان، ہندوؤں تھی، اب بھی بے شمار لوگ ہندوستان کی تقسیم کو قائد اعظم کی غلطی قرار دیتے کے مقابلے میں، کہاں ہٹرے تھے؟ اس کا اندازہ آج کے نوجوان کوئی ہو سکتا۔ اس بیں۔ قائد اعظم محمد علی جناح پر اعتراض کرنے والوں کی بھی کمی نہیں۔ ان میں سرفہرست کی پیدائش ہی پاکستان میں ہوئی۔ اس نے اپنے بڑوں کو ہندو سماہو کاروں سے قرض باچاخان کے بیٹے ولی خان ہیں۔ جنہوں نے اپنی کتاب "حقائق حقائق ہیں" میں مانگتے دیکھا نہ ہندو جا گیرداروں کے کھیتوں میں ہل چلاتے۔ اسے کیا معلوم کہ ایک مسلمان اپنے بچے کو ملازمت دلوانے کے لیے ہندو بادوؤں کے سامنے کیسے اپنی عزت نفس کوتارتا رکرتا تھا۔ یہ تھیوری بھی اب غلط ثابت ہو چکی ہے کہ پاکستان، بگلہ دلیش کتاب پاکستان کی ایک بنیادی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ عmad بزدار نے جذبات سے بلند ہو کر ٹھوں حوالہ جات کی مدد سے ثابت کیا ہے کہ مسلمانوں کو دیوار سے لگایا گیا اور اس حد تک رج کیا گیا کہ پاکستان کے مطالبے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ قائد اعظم نے ہندو مسلم اتحاد کے لیے جدو جہد کی اور اس میں ناکامی کے بعد اس نتیجے پر پہنچ کے ہندو کے ساتھ رہنا ممکن نہیں۔ عmad نے پاکستانی مسلمانوں کا رُخ اصل قائد اعظم کی طرف پھیرا ہے۔ یہ ایک خالص تحقیقاتی کتاب ہے۔ اس میں نظرے ہیں جذبات۔ حقائق کو نہیں بہانے کی کوشش کی گئی ہے نہ مذہب سے دُور ہکلینے کی۔ کتاب کے آغاز میں "چند گزارشات" میں شاعر، دانشور اور کالم نگار محمد اظہار الحق نے لکھا ہے۔ "قائد اعظم کا پاکستان بنانے کا فیصلہ درست تھا۔ قائد اعظم کی بھارت پر اعتبار نہ کرنے والی بات آج درست ثابت ہو رہی ہے۔ قائد اعظم نے ٹھیک دونوں انتہا پسندوں کے موقف کو پیس کر رکھ دیا۔ پہلے گروہ کو اس وقت شکست

کا سامنا کرنا پڑا جب سلیمانہ ہائی اور کشورناہید جیسے نیوٹرل پاکستانیوں کو بھارت نے ویزا دینے سے انکار کر دیا۔ رہادوسرا نہیں گروہ، تو قدرت کی لائھی بے آواز ہے۔ زبان سے مانیں یا نہ مانیں، مگر نہایا خانہ دل میں جانتے ہیں کہ بھارت میں مدارس کی چھت پر ترنگالہ برانا لازم ٹھہرہا ہے۔ رکھشا بندھن، دیوالی، دسہرہ، کرسی اور دوسرا ہے تھوڑوں پر مدارس بند کرنے کا حکم ہے اور اسلامی تعلیمات کم کرنے کا کہا گیا ہے۔ آج پاکستانی نوجوانوں کو مسلمان افواج، رسول سروس، بیکاری، آئی اور دیگر شعبوں میں جانے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ پاکستان ایک ایمنی ملک ہے اور اقتصادی استحکام کی جانب روایا دوال ہے۔ یہ وہ انعامات ہیں جن کا بھارتی مسلمان سوچ بھی نہیں سکتا۔ اس کا کریڈٹ اگر قائدِ عظیم اور ان کی جدوجہد کو نہ دیا جائے تو کسے دیا جائے؟ بہر طور یہ طے ہے کہ وقت قائدِ عظیم کی صداقت اور عظمت جریدہ عالم پر ثابت کرتا جائے گا۔ رہا کتاب کا باب جو ولی خان کی کتاب کے حوالے سے ہے تو میرے ناقص علم کے مطابق یہ ولی خان کے الزامات کا پہلا باقاعدہ اور باضابطہ جواب ہے۔ مختلف حضرات نے اپنی کتابوں میں ان الزامات کا رد پیش کیا ہے، کچھ نہ محض ذکر کیا ہے، مگر بالاستیعاب اس کہنے سے کبھی بیچھے نہ ہے۔

سحرش عثمان نے لکھا ہے۔ ”قائدِ عظیم تھے اس وقت بھی جب انہوں نے کہا تھا

ہندو لیڈر شپ پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا اور اس وقت بھی درست تھے جب کہا تھا آج سے ہمارے تمہارے راستے جدا ہیں، اور اس وقت بھی درست تھے جب کہا ہم مذہبی، معاشی اور معاشرتی ہر لخاڑ سے ایک الگ قوم ہیں۔ اور وقت نے ثابت کیا کہ ہم ایک الگ قوم تھے اور ہیں گے۔ جناح کو غلط کہہ دینا آسان غلط ثابت کرنا مشکل تھے۔ کیا کسی ایسے شخص کو غلط ثابت کیا جاسکتا ہے جس کو اپنی قوم کے درد نے بے چین کر رکھا ہو۔ جس نے کسی مالی فائدے کی کسی ذاتی مفاد کی پرواہ کی بغیر اپنی بستی کے لیے بہتر زندگی کا خواب دیکھا۔ پھر اس بڑے خواب کی تکمیل کے لیے ہر مکن کوشش کی ہو۔ تعبیر کی سہانی صحیح وہ شخص آنکھوں میں نبی لیے قوم کا حوصلہ بلند کر رہا ہو۔ لیکن ہماری بستی میں رسم چلی ہے احسان فراموشی کی، ہم محسکش مرعوب ذہن قوم آپ کو غلط ثابت کرنے کو شکوں میں سردھر کی بازی لگادیتے ہیں۔ ایسے میں ایسی کوئی کتاب روزن سے آتی پہلی کرن جیسی لگی جو ہر زبان دراز کے منہ پر طماٹے چیزی ہے۔ علمی و تاریخی طماٹے جب یہ پڑھی تو بے ساختہ خواہش جاگی اس میں حصہ دار بننے کی اس کتاب میں کچھ لکھنے کی۔ اس جلتے دینے کی لوکا تھوڑا حصہ بننے کی۔ ایسی کتاب میں کسی انعام یا تعریف کے لیے نہیں لکھی جاتیں ایسی کتاب میں تو فرض کی طرح ادا کی جاتی ہیں اور قرض کی طرح ادا کی جاتی ہیں۔ وہ قرض جو آزاد فضاؤں میں سانس لینے سے ہم پروا جب ہوتا ہے۔“

شمینہ رشید اور سحرش عثمان نے ”ملزم جناح حاضر ہو!“ کے دیباچہ اسی عنوان سے لکھے ہیں۔ شمینہ رشید کہتی ہیں۔ ”پاکستان کو بننے ستر سال ہو گئے ہیں۔ وہ نسل جس نے پاکستان بننے دیکھا اس کی جدوجہد میں حصہ لیا، تھہ خاک ہوئی۔ جو اس وقت بچے تھے شاید ان میں سے کچھ لوگ اب بھی زندہ ہوں۔ آج ہم اور ہمارے بچے صرف کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ پاکستان کیسے بنا۔ پاکستان بننے میں قائدِ عظیم کا کردار کیا تھا۔ لیکن کہیں نہ کہیں قائدِ عظیم اور ان کے رفقاء کو احترام کے اوپر نیبار پر ایسا تادہ کر کے، ہم نئی نسل کو ان کی اصل شخصیت اور جدوجہد کو سمجھنے سے بہت دور لے گئے ہیں۔ ان کے لیے قائدِ عظیم شاید بس ایک تصویر ہیں، مطالعہ پاکستان کی کتاب کا ایک باب یا سر کاری افسر کی کسی کی پشت پر آؤیزاں ایک تصویر۔ اس پورے پس منظر میں لبرزا اور قوم پرستوں کا ٹولہ جو قائد کی تفحیک کرنے اور قائدِ عظیم کی شخصیت کو گاہنہ ہی کے مقابلے میں مکثہ ثابت کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ ان کے لیے ایک مدل اور جامع موازنے پر مشتمل ایک ایسا جواب وقت کی اشد ضرورت تھا جو دونوں شخصیات کو تاریخ کے آئینے میں ان کی تمام تر خوبیوں اور خامیوں سمیت آج کی نئی نسل کے سامنے رکھ سکے۔ ان تمام تاریخی حوالوں کے ساتھ جو آزادی سے پہلے اور اس کے فوراً بعد لکھے گئے اور جن کے مستند ہونے پر آج کے قاری کو کوئی کلام نہ ہو۔ ان تمام حوالوں

عماد بزدار کی اس تاریخ ساز تالیف "ملزم جناح حاضر ہو!" کو چار باب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جس میں قائد اعظم کی زندگی اور جدوجہد کا پورا نقشہ، گاندھی کی شخصیت اور کردار اور ولی خان اور دیگر کے قائد اعظم پر اعتراضات کے مدلل اور مدت توڑ جوابات دیئے گئے ہیں۔ پہلا باب ہے۔ "متحده ہندوستان کا حامی جناح"۔ اس باب میں قائد اعظم کی سیاسی زندگی کے اس دور کا بھرپور احاطہ کیا گیا ہے۔ جب انہیں ہندو مسلم اتحاد کا سفیر قرار دیا گیا، اور انہوں نے ہندوستان کی آزادی کے لیے تن من وھن سے جدوجہد کی اور قوم پرست کھلانے۔ اس باب کے ذیلی عنوانات سے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ "متحده ہندوستان کا حامی، قوم پرست جناح"، "روٹ ایکٹ پر جناح کار دیل"، "گاندھی کی ڈکٹیٹری شپ کی کہانی"، "ہوم روول لیگ"، "گاندھی کی ہوم روول میں انٹری اور ڈکٹیٹری شپ کی کہانی"، "تحریک خلافت و عدم تعاون اور گاندھی کی طرف سے مذہب کا استعمال"، "جناح صاحب کی مزاحمت"، "گاندھی کے بلدو بالاعزائم، ہجرت اور موپلہ عوام کی بغافت"، "عدم تعاون میں شرکت کی پیشکش پر جناح صاحب کا جواب"، "عدم تعاون پر رابندرناٹھ ٹیگور کار دیل"، "طلبا کے تعیین کیریئر کی تباہی"، "نہرو رپورٹ اور ہندوستانی قوم پرست جناح کا اللوائی نغمہ"، "41 نکات پر ہندو لیڈر شپ کار دیل"، "گول میز کا نفرنس اور جناح کی مصروفیات" اور "جناح صاحب کی وطن واپسی" جس کے بعد حوالہ جات دیے گئے ہیں۔

کتاب کا دوسرا باب "مسلمانوں کے قائد اعظم" ہے۔ جس میں محمد علی جناح کا قوم پرست لیڈر سے مسلمانوں کا قائد بننے کی داستان بیان کی گئی ہے۔ اس باب کے ذیلی عنوانات ہیں۔ "فیصلہ کن جنگ کا آغاز"، "کانگریسی وزارتیں اور مسلم لیکی کمیٹیاں"، "فضل الحق رپورٹ برائے بنگال"، "کانگریسی وزارتیں کا استغفاری"، "مطالبه پاکستان کی وکالت"، "ہندوستان چھوڑ و تحریک اور جناح گاندھی مذاکرات"، "ہندو مسلم تضاد کے متعلق بیور لے نکولس اور ڈاکٹر امبیڈکر کی رائے"، "جناح صاحب کا بیور لے نکولس کو دیا گیا انٹریویو"، "مفہومت کی کچھ مزید کوششیں اور ایکشن ڈیسائی لیاقت معاهدہ"، "سپر کمیٹی رپورٹ"، "1945-46ء کے انتخابات اور مولا نا آزادی کی طرف سے پیش کردہ حل"، "کیپنٹ مشن پلان"، "16 مئی کو مشن ارکان کی طرف سے لیکی نمائندوں کو وضاحت"، "17 مئی کو گاندھی کار دیل"، "18 مئی کو کرپس والا نس کی گاندھی سے ملاقات"، "گاندھی کرپس اور پیچک لارنس کے تعلقات پر ایک نظر"، "اتجاح ایم سیروائی کی تصدیق"، "18 مئی کو مشن ارکان کی واسرائے کے ساتھ میٹنگ"، "19 اور 20 مئی کو گاندھی کے مشن کو لکھے گئے نتھیں"، "20 مئی کو کانگریس کا پہلا باب"

"ملزم جناح حاضر ہو!" کا تیسرا باب "گاندھی کی شخصیت" ہے۔ جس کے ذیلی عنوانات ہیں۔ "گاندھی کی شخصیت"، "گاندھی کے بارے میں مختلف شخصیات کی آراء، "نظریات"، "اقتصادی فلسفہ"، "گاندھی اور عدم تشدد"، "عدم تشدد کے نام پر تشدد بھر کانے کا عمل"، "عدم تشدد کی بدلتی تعریفیں"، "شخصیت کے کچھ اور پہلو" اور دوسری جنگ عظیم، مہاتما اور عدم تشدد۔ ان تمام عنوانات کے تحت بھرپور حوالہ جات کے ساتھ گاندھی کی متصاد شخصیت اور قول فعل کا تضاد مولف نے عمدگی سے قارئین پر واضح کیا ہے۔

کتاب کا چوتھا اور آخری باب "ولی خان کے الزامات کا جواب" ہے۔ اس باب میں



## QUALIFIED CHARTERED ACCOUNTANTS WITH BIG4 EXPERIENCE

FREE TELEPHONE / EMAIL & WHATSAPP SUPPORT

Company Incorporation / Registered Office Address

Private UK Pension Tracing

Personal Income Tax Return investigations

Assets Review for Inheritance Tax

Rental Income Tax Returns

Appealing - Past years HMRC Penalties

UK State Pension Entitlement Review

Preparation / Filing of prior year tax returns

Advise on filing Gaps in UK State Pension

Duplicate - Payslips / P60s

UK State Pension / (Contracted Out) Tracing

**SARMAD KHAN | ACA, FCCA**

OFFICE 115 LONDON ROAD, MORDEN, SURREY SM4 5HP - UK



CELL +44 (0)7903 416 966

TEL +44 (0)208 646 3666 FAX +44 (0)208 082 5002

EMAIL [INFO@SARMADGLOBAL.COM](mailto:INFO@SARMADGLOBAL.COM)

WEB [WWW.SARMADGLOBAL.COM](http://WWW.SARMADGLOBAL.COM)

عمار بزدارنے باچا غان کے بیٹے کے قائد اعظم پر لگائے الزامات کا بھرپور جواب دیا ہے۔ اس باب کے ذیلی عنوانات ہیں۔ ”پس منظر“، ”جناح صاحب کی شخصیت کے متعلق لوگوں کی رائے“، ”ہمیکھ بولی تھوکی کتاب سے اقتباسات“، ”جزل گریسی کی رائے“، ”ڈاکٹر سچد انند سنہا کی رائے“، ”ڈاکٹرمبارک علی کے سہیل وڑائج کے ساتھ انٹرویو کے اقتباسات“، ”اوون بینٹ جونز، نامہ نگار بی بی سی“، ”کامنجی دوار کا داس کے تاثرات“، ”ببور لے گلوس کی جناح صاحب کے بارے میں رائے“، ”تک کامقدمة اور بیہقی بار کا ڈنر“، ”جمونت سنگھ کی کتاب سے اقتباس“، ”فریڈم ایٹ ٹھنڈس سے اقتباسات“، ”کے ایل گا اور جزل عمر کے انٹرویو سے اقتباسات“، ”جی الانا کی کتاب سے اقتباس“، ”سابق وزیر اعظم چودھری محمد علی کے تاثرات“، ”جناح صاحب کے سیکریٹری کے ایجخ خورشید کی رائے“، ”ایجنت لقب کی داستان کی ابتداء“، ”سرحد میں ریفاریڈم کے بارے میں ولی خان کی غلط بیانیاں“، ”جناح و لندن ناچاقی کے بارے میں ولی خان کی یک طرف رائے“، ”ولی خان کے دیگر الزامات اور ان کے جواب“، ”گورنر جزل کے انتخاب پر ولی خان کے الزامات کا جواب“، ”جناح پر ولی خان کی جانب سے بزدلی کا الزام“، ”قرارداد پاکستان کے بارے میں ولی خان کی غلط بیانی“، ”پس منظر“، ”جنگ عظیم کا آغاز“، ”سکیم کی تیاری“، ”جناح صاحب کی شراب نوشی اور رتی کے ساتھ نکاح“، ”برطانوی ایجنت جناح کو ملنے والا انعام“ اور ”حریت پسند کا نفرنس کا کردار“۔

اس طرح ”ملوم جناح حاضر ہو!“ کے مؤلف عمار بزدارنے کتاب میں قائد اعظم کی شخصیت، کردار، ہندو مسلم اتحاد کے سفیر اور پھر مسلمانوں کے لیڈر اور قیام پاکستان کی جدوجہد تک تمام پہلوؤں کا بہت خوبصورتی سے احاطہ کیا ہے۔ قائد اور گاندھی کی شخصیت اور کردار کا فرق، اور ولی خان کے الزامات کامنہ توڑ جواب ہربات کا مکمل اور حوالہ جات کے ساتھ کسی پہلوکو تشنہ نہیں چھوڑا۔ مضمون کی گنجائش کے پیش نظر کتاب سے اقتباسات دینے سے گریز کیا ہے۔ کیونکہ اس طرح مضمون بہت طویل ہو جاتا۔ جیسا کہ سحرش خان نے لکھا ہے کہ کتاب کا حصہ بننے کی خواہش بے ساختہ پیدا ہوتی ہے۔ تاہم ایک خیال یہ بھی ہے کہ اس طرح ہر اس قاری کو پوری کتاب پڑھنے کی ترغیب بھی ملے گی۔ جو قائد اعظم اور تحریک پاکستان کے حقائق جانتا چاہتا ہے۔ اس عمدہ تالیف پر عمار بزدار اور کتاب کے پبلش فکشن ہاؤس مبارک باد کے مستحق ہیں۔



# کراچی میں اپنی شناخت چھپائے کتنے

تحریر: شیما صدیقی

## یہودی آباد ہیں؟



آج انہیں شناخت کا مسئلہ ہے۔ عام تاثر یہی ہے کہ عرب اسرائیل جنگوں اور معاشرے کے عدم برداشت کی وجہ سے اس برادری نے اپنی شناخت چھپالی ہے۔

نکلے تو کسی نے بتایا کہ صدر میں واقع پبلوان ایرانی ہوٹل میں یہودی آ کر بیٹھتے ہیں۔ وہاں پہنچ، کچھ لوگوں سے بات بھی کی، لیکن ہر ایک نے ان کی بات کو ٹال دیا۔ اسی رویے کا سامنا انہیں بہائی ہاں میں ہوا۔ وہاں انہیں کچھ لوگ ملے جن کے بارے میں خیال کیا جا رہا تھا کہ وہ لوگ یہودی پس منظر کے حامل ہیں لیکن جب بات کی تو انہوں نے بات کرنے سے انکار کر دیا۔ کلمتی صاحب بھتھتے ہیں کہ یہ لوگ بہائی مذہب کے ساتھ اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔ شاید اسی لیے اب ان کی تدبیفین یہودیوں کے قبرستانِ گلتان جاوید میں ہوئی بجائے بہائیوں کے قبرستانِ گلتان جاوید میں ہوئی ہے۔ یہودی برادری کے ختم ہوتے وجود اور ان سے جڑی پر اسراریت کی وجہ سے میری طرح بہت سے لوگوں کو دلچسپی ہو گئی کہ شہر کراچی میں یہ لوگ پہلے کہاں



کراچی کا مشہور میری دیدر ڈاور (تصویر: عاصد صدیقی)

کراچی کل بھی روشنیوں کا شہر تھا اور آج بھی سیاسی، سماجی اور تہذیبی حوالے سے جانا جاتا ہے۔ تقسیم سے پہلے اس شہر کی تعمیر میں جہاں انگریزوں، پارسیوں، ہندوؤں اور مسلمانوں کا حصہ رہا، وہیں یہودیوں نے بھی اس شہر کو نوع بخشنا۔ کراچی کے یہودیوں اب یہ گئے چھٹے لوگ پارسی، عیسائی اور بہائی کی مذہبی پہچان رکھتے ہیں۔ گل حسن کلمتی کی تاریخ کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ماضی قریب میں بھی کراچی کی آبادی کا ایک صاحب کراچی کی تاریخ پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ انہوں نے پرانی بات کا ذکر کرتے چھوٹا حصہ یہودی خاندانوں پر مشتمل تھا۔ قلیل تعداد میں ہونے کے باوجود ان لوگوں نے اپنی الگ پہچان برقرار رکھی۔ یہ لوگ قیام پاکستان سے قبل بڑے شہروں کراچی، لاہور، راولپنڈی اور پشاور میں آبے تھے۔

کراچی کے یہودی خاندان زیادہ تر گوا کے علاقے کوچین، ایران، افغانستان اور عراق سے ہوتے ہوئے کراچی پہنچے۔ یہ لوگ تعلیم یافتہ، ہنرمند اور مستحکم معاشی طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ لہذا زیادہ تر کاروبار، سرکاری عہدوں اور تعلیم کے شعبے سے منسک رہے۔ انگریز سرکار نے سندھ کی پہلی مردم شماری 1881 میں کرائی۔ اس مردم شماری کے مطابق سندھ میں 153 یہودی آباد تھے۔ دوسری مردم شماری تک ان کی تعداد گنی ہو چکی تھی۔ سندھ گزٹ 1907 میں ایڈورڈ ہمیٹن اینکان لکھتے ہیں کہ 1901 کی مردم شماری کے مطابق 482 یہودی آباد تھے۔ تقسیم

کے وقت یہ تعداد پورے پاکستان میں تو دو ہزار سے اوپر تک جا پہنچی، لیکن ان کی سب

بستے تھے اور کیسے رہتے تھے؟  
کیا اسرائیلی وزیر اعظم تن یا ہو کے والد کراچی میں رہتے تھے؟

کراچی میں ابھی بھی کئی مقامات موجود ہیں، جو کراچی کے یہودیوں کا کپڑہ دیتے تھیں۔ کل ہی نہیں بلکہ آج بھی کراچی کے شہریوں کی ایک قلیل تعداد یہودی خاندانوں پر مشتمل ہے۔ نادر اکے ایک افسر نے اپنا نام نہ ظاہر کرنے کی شرط پر ہمیں بتایا کہ 2017 کی مردم شماری کے مطابق پاکستان میں 831 یہودی آباد ہیں، جن میں سے 438 مرد اور 393 عورتیں ہیں۔ سندھ میں یہ تعداد 180 مرد اور 117 عورتوں پر مشتمل ہے جبکہ 93 یہودی مرد اور 52 یہودی خواتین کراچی کے باسی ہیں۔

کراچی کے صحافی فرید ماجد سانچی رنجوڑ لائسنس کے ہی رہائشی ہیں۔ ان کے 82 سالہ پر مشتمل ہے جبکہ 93 یہودی مرد اور 52 یہودی خواتین کراچی کے باسی ہیں۔

والد باغ علی بنا نے لگے کہ 1948 تک ان کے پڑوئی موجودہ اسرائیلی وزیر اعظم بن یا مین نہیں یا ہو کا خاندان تھا۔ وہ کہنے لگے کہ یہ جو پچھے موجودہ اسرائیلی وزیر اعظم شوکت منزل، میں یہ لوگ کرائے پر رہتے تھے۔ میں ان کا پڑوئی تھا۔ اس لگی میں اور آگے کی طرف جو مسجد ہے، وہیں سارے یہودی لوگوں کے گھر تھے۔ ان کے مطابق، موجودہ اسرائیلی وزیر اعظم بن یا مین نہیں یا ہو کے والد بیزروئن نہیں یا ہو کے ای ایسی (موجودہ اسرائیلی وزیر اعظم کے الیکٹر) کے پاؤرہاؤس میں ورکشاپ انجینئر تھے اور میں وہاں ان کے ساتھ فور میں کے طور پر کام کرتا تھا۔ وہ سائیکل پر اور ہم پیدل دفتر جاتے تھے۔ ان کے دو لاکے، بیوی اور ایک لاکی بھی تھی۔ ان کی والدہ کی قبر یہودی قبرستان میں ہے۔ جب پاکستان بنا تب وہ چلے گئے۔ کسی کو بتائے بغیر رات ہی رات میں چلے گئے۔ ہمارے ان سے اچھے تعلقات تھے۔ ہم ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور ساتھ کام کرتے تھے۔ وہ ایسے نکل گئے جیسے پتہ ہی نہیں پڑا۔ یہی بات کے الیکٹر کے لیبریونیں کے ایک سابق آفسر نے بھی نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بتائی کہ ہاں ایک یہودی ورکشاپ انجینئر تھے اور رچھوڑ لائن سے سائیکل پر آتے تھے۔ لیکن جب ہم نے کے الیکٹر کا موقف معلوم کیا تو انہوں نے اس بات کی تصدیق نہیں کی۔ کے الیکٹر کا کہنا ہے کہ بیزروئن نہیں یا ہونام کے کوئی صاحب ان کے ہاں ملازم نہیں رہے۔ البتہ ہماری تحقیق سے ظاہر ہوا ہے کہ نہیں یا ہو کے والد کا تعلق پولینڈ سے تھا اور وہ کبھی ہندوستان نہیں آئے۔ البتہ یہ ضرور ہو سکتا ہے کہ بیزروئن نہیں یا ہونام کے کوئی اور صاحب وہاں رہتے ہوں جو بعد میں ملک چھوڑ کر چلے گئے ہوں۔ لیکن اس کے باوجود ان گلیوں کے رہائشوں کے ذہنوں میں یہ بات اتنی راخی ہو چکی ہے کہ باغ علی صاحب کی بات کی تائید پچھلی گلی کے رہائشی ناصر خان نے بھی کی۔ ان کا کہنا تھا کہ نہیں یا ہو کے خاندان کے متخلص ہم نے اپنی والدہ سے سنا کہ وہ لوگ شوکت منزل میں رہتے تھے۔ شاید 1950 سے پہلے کی بات ہوگی۔ یہ لوگ یہاں ہی بستے تھے۔ میں نے ان کی مسجد سے لوگ نکلتے دیکھے ہیں۔ وہ ہماری طرح کے لوگ تھے۔ اب تو وہ ختم ہو گئی۔ وہاں مارکیٹ ہے۔ اسی سے ملتی جاتی بات اقبال عبدالرحمان نے اپنی کتاب میرے زمانے کی کراچی میں بھی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جاماوجی اسٹریٹ پر قائم شوکت منزل، ایک تاریخی عمارت ہے جس کا آواح حصہ مسما رہ چکا، (اب یہ عمارت کمکل طور پر اپنا وجود کھو چکی ہے) اس عمارت میں یہودی آباد تھے۔ شوکت منزل ہی نہیں رچھوڑ لائن اور رام سوامی کی کئی عمارتیں ان کے وہاں قائم کی شاہد ہیں۔ 1967 کی اس عمارت میں رہنے والے ایک یہودی خاندان نے اسرائیل میں مستقل قیام کی خاطر بھرت کی، جو شاید کراچی کا پہلا یہودی خاندان تھا جس نے بھرت کی بنیاد رکھی، اس خاندان کی رشتہ داری اسرائیل کے حکمران خاندان سے تھی۔

انیتا غلام علی صاحبہ کراچی کی پرانی بائی تھیں۔ وہ اپنی ایک تحریر یادوں کے در پیچے سے، جو ادبی رسائے آج: کراچی کی کہانی 1، میں انگریزی زبان سے ترجمہ کی گئی، میں پرانے کراچی کا نقشہ کچھ اس طرح کھنچتی ہیں: کراچی، جس کے سینے میں دل تھا اور جس کے بازو کھلے ہوئے تھے، مزید لکھتی ہیں کہ ہم وزیر پیلس میں رہتے تھے۔ جو سینٹ لارنس کا نوٹ کے قریب تھا۔ اس کے ارد گرد کا ماحول 1940 اور 1950 کی دہائی کے کراچی کے اصل کردار اور خود خال کا عکاس تھا۔ سامنے میدان تھا، جہاں گپتا خاندان رہتا تھا، ہمارے مکان کے ایک طرف کی تھوک سرچارلز لو بو اور دوسری طرف خلیج فارس کا مسلم خاندان، وہاں سے صرف دوسو گز کے فاصلے پر دو یہودی خاندان رہتے تھے اور سکول کے آس پاس کی تھوک اور پارسی آباد تھے۔ کراچی کے یہودیوں کے بارے میں وہ آگے لکھتی ہیں کہ میرے والد کے یہودی دوست مراثی اور انگریزی بولتے تھے۔ رام سوامی اور ڈی جے کالج کے ارد گرد رہتے تھے۔ وہ بڑے خوش باش اور شور کرنے والے لوگ تھے۔ چھٹی والے دن جمع ہوتے۔ مذہبی تھوڑوں پر ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے۔ یہی نہیں مجھے یہ بھی یاد ہے کہ 1980 کی دہائی میں جب میں اپنے بچپا کے ڈائیگر روم میں داخل ہوئی تو میں نے وہاں انہیں اسرائیل سے آئے ہوئے مہمان کی تواضع کرتے دیکھا۔ کراچی کا یہ یہودی باشندہ اس نس کا بھیجا تھا، جس نے جب ابا کالج میں پڑھتے تھے، سول، ہسپتال میں ان کی دیکھ بھال کی تھی۔ مزید یہ کہ میرے والد سیون میں محل شہباز قلندر کی درگاہ کے ٹرٹی تھے اور کراچی میں یہودیوں کے سنا گوں اور ہندو ٹینپل کمپنی کے بھی۔ شیر شاہ سید، جنہوں نے یہودیوں کے سنا گوں ”میگن شلوم“ پر ایک افسانہ لکھا ہے، بتاتے ہیں کہ انہوں نے ابتدائی تعلیم این جے وی سکول سے حاصل کی۔ انہیں آج تک اپنے ریاضی کے استاد مسٹر بنیجن یاد ہیں۔ 1967 کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد وہ ایک دم غائب ہو گئے۔ ساتھ ہی انہوں نے بتایا کہ جب وہ میگن شلوم پر افسانے کے لیے مواد جمع کر رہے تھے، تو انہیں ممتاز گاننا کا لو جسٹ ڈاکٹر صادق جعفری نے بتایا کہ 60 کی دہائی میں ڈاؤ میڈیکل کالج میں ان کی ہم جماعت دو یہودی لڑکیاں بھی تھیں۔ یہی بات ڈاکٹر آصف باوانی بتاتے ہیں کہ 50 کی دہائی میں ان کی رہائش شومارکیٹ کی طرف تھی۔ ان کی بڑی بہمن سلامی کڑھائی سیئنر جاتی تھیں اور ان کے ساتھ پڑوں میں رہائش پذیر یہودی دوست بھی ساتھ جاتی۔ انہوں نے بتایا کہ ان کے لباس ہم سے مختلف ہوتے تھے۔ کراچی کے یہ پرانے بائی اولڈ ٹاؤن یعنی لمی مارکیٹ، جوڑیا بازار، رچھوڑ لائن، گارڈن اور رام سوامی کے علاقے میں بستے تھے۔ مجھے ان علاقوں کی کئی پرانی یوسیدہ اور مندوش عمارتوں پر

اختیار رکھی اور بحیثیت استاد سولجر بازار کے نزدیک جو فیل ہر سٹھن کوں میں پڑھاتی رہیں۔ 1988 کے لگ بھگ سناؤگوں ٹوٹا اور اس کی جگہ مدیحہ سکواڑ کا پورا بازار تھا جس کا گھر تعمیر ہوئے اور ان میں لوگ بس بھی گئے، لیکن آج تک سناؤگوں دوبارہ نہ بن سکا اور نہ ہی پہلی منزلہ تھکل جوزف کے پاس رہی۔ اب اس منزل پر بھی گھر بنانے کی فروخت کر دیے گئے ہیں۔ مدیحہ سکواڑ کے ایک دکان دار نے اپنا نام نہ ظاہر کرنے کی شرط پر ہمیں بتایا کہ وہ اپنے ابا کے ساتھ دکان پر بیٹھتے تھے۔ انہیں تھوڑا تھوڑا یاد ہے۔ تھکل ساڑھی پہنچتی تھیں اور دکان داروں سے کرایہ لینے آتی تھیں اور ابھی بھی گپڑی کی ان دکانوں کی ملکیت یہودی ثرست کے نام پر ہے۔

### کراچی کو الگ پہچان دیتے یہودی قبرستان

کراچی میں دو سناؤگوں کے شواہد تو نمل سکے لیکن میوه شاہ میں ان کے دو یہودی قبرستان ضرور ہیں۔ ایک پچھی میمن قبرستان کے ساتھ چھوٹا اور مندوش ہوتا تکڑا اور ایک داؤ دی بوہرہ قبرستان نور باغ کے ساتھ نسبتاً بڑا یہودی قبرستان جس کے دروازے کے ساتھ یہیں سٹار آف ڈیوڈ بن ہوا ہے اور ساتھ ہی بغیر اجازت فالتو آدمی کا اندر آنا سخت منع ہے تحریر ہے۔ ہم اختر بلوچ صاحب کے ساتھ قبرستان کے احاطے میں داخل ہوئے، پہلے سے طے شدہ نکات کے مطابق پندرہ، میں منٹ میں ہمیں معلومات اور تصاویر لے کر باہر آ جانا تھا۔ قبرستان کے رکھوالے چاند سلیمان نے اپنے بلوچی لجھ میں بتایا کہ ہم پشت در پشت سے اس قبرستان کے رکھوالے ہیں۔ ہمارے بڑے ہی ان قبروں کے گورکن اور محافظت تھے۔ میرا دادا، میرا باپ، میری ماں اور اب میں اس قبرستان کتبوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی سمیت قبلہ اول بیت المقدس کی طرف ہے۔ ان قبروں کے رخ دیکھ لیں مغرب کی طرف ہیں۔ سب قبروں پر ستار آف ڈیوڈ کے نیچے عبرانی، انگریزی اور گجراتی زبان میں مدفن کے بارے میں تعارف موجود ہے۔ قبرستان کے کتبوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ابتدائی قبریں پیلے اور پھر سفید سنگ مرمر سے بنائی گئیں اور آخری آخری کچھ قبریں سیمنٹ کی بھی نظر آئیں۔ زبان کے لحاظ سے گجراتی سب سے آخریں کتبوں پر لکھی گئی۔ ابتدائی قبروں پر صرف عبرانی اور انگریزی زبان ملتی ہیں۔ کتبے پر سہ پیدائش اور موت کی تاریخ اور ان کے پیشے یا یہودی برادری میں ان کا مقام بھی لکھا گیا ہے۔ یہ قبریں ہمیں احساس دلاتی ہیں کہ گئے زمانے کا کراچی کتنی برادریوں کے مختلف روگوں کو وقوس قزح کی طرح اپنے اندر سموئے ہوئے تھا، وہ رنگ جنہیں دلت کی بارشوں نے مدد کرتے کرتے بالآخر مٹا دا۔

یہودیوں کا خاص نشان ستار آف ڈیوڈ ملے۔ ان عمارتوں میں سب سے ممتاز عمارت میری ویدر تاور ہے، جس کا مقصد کراچی کے ساحل پر لنگر انداز ہونے والے بھری جہازوں اور آنے والے افراد کو کراچی کے داخلی دروازے کا پہنچ دینا تھا۔ یہ آج بھی کراچی کا معروف ترین چوراہا ہے اور ہر بس والا تاور، تاور کی صدائگانے بغیر یہاں سے نہیں گزرتا۔ سلاوٹ برادری کے ہمدرمدوں نے کمال ہمدرمدوں سے اس پر ستار آف ڈیوڈ تراشا ہے، جو کراچی کے یہودی بائیوں کی یادداشت ہے۔ اس طرح جو بلی مار کیتے کے نزدیک سرخ رنگ کی عمارت پر عمارت کا نام، سوہنی بلڈنگ 1941 لکھا ہے اور ساتھ ہی ستار آف ڈیوڈ بن ہوا ہے۔ یہاں بھی لوگ اس عمارت کی اہمیت سے واقف نہیں، تصویر بنانے پر لوگ ہمیں کے ڈی اے کے ہمکار سمجھے۔ ہمارے بتانے پر ان کا کہنا تھا: اچھا بھی یہ لوگ لستے ہوں گے، ابھی تو ہم ہیں۔

### کراچی کی یہودی عبادت گاہیں

کراچی کی یہودی آبادی چھوٹی ہونے کے باوجود اپنا سماجی کردار خوب ادا کرتی رہی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ کراچی میں دو سناؤگوں تھے، لیکن ہمیں ملنے والے شواہد اور حوالے ایک ہی سناؤگ کا پہنچ دیتے ہیں، یعنی میگن شیلوم سناؤگ جو عرف عام میں یہودی مسجد کہلاتا تھا۔ اس کا گل رقبہ 1109 مربع فٹ تھا جو موجودہ جیلہ سڑیت، نشرت روڈ پر واقع تھا۔ اس کی تعمیر کا بیڑا، برادری کے سرکردہ رہنماء اور کاروباری شخصیت سولہوون ڈیوڈ اور مردیکر نے 1890 میں اٹھایا۔ 1893 میں اس کی تعمیر مکمل ہوئی۔ ان کے نام سے رام سوامی میں کبھی سڑک بھی منسوب تھی۔ اب سولہوون ڈیوڈ سڑک کا نام تبدیل کر کے سلیمان داؤ در روڈ کر دیا گیا ہے۔ میگن شیلوم سناؤگ کی دو منزلہ عمارت زمانے کے دستور کے مطابق زرد پتھر سے تیار کی گئی تھی۔ جب برادری میں خاطر خواہ اضافہ ہو گیا تو اس کو سولہوون ڈیوڈ کے بیٹوں نے 1912 میں مزید توسعہ دی۔ برادری متحکم اور منظم تھی کیونکہ 1903 میں یہودی برادری نے یہنگ میں جیوش ایسوی ایشن بھی بنالی تھی۔

### تھیس کے بعد کراچی کے یہودی گئے کہاں؟

اسرائیل بننے کے بعد یہودی برادری نے اسرائیل جانا بہتر سمجھا اور کئی خاندانوں نے پاکستان چھوڑ دیا۔ سست روڈی سے جاری اس سلسلے میں عرب اسرائیل جنگوں میں تیزی آئی اور بڑے بیانے پر یہودی برادری نے اپنے گھر بار چھوڑ دیے اور منے دیں میں جائے۔ 1968 میں کراچی میں یہودیوں کی تعداد کم ہوتے ہوتے 250 تک جا پہنچی۔ اس بندرنج اخلاقی وجہ سے اس سناؤگ کی ویرانی وقت کے ساتھ بڑھتی گئی۔ برادری کی دیگر تنظیموں کی کارکردگی بھی ماند پڑ گئی۔ مختصر ہوتی اس برادری کی آخری کشوڈیں تھکل جوزف تھیں۔ انہوں نے پاکستان میں قیام تک رام سوامی میں رہائش

# راولپنڈی کے پارسی، کہاں سے آئے کہاں چلے گئے؟

تحریر: سجاد اظہر

راولپنڈی شہر جس کی تعمیر و ترقی میں پارسیوں نے بڑھ کر حصہ لیا، آج وہاں آباد پارسیوں کو انگلیوں پر گناجا سکتا ہے۔

پارسی زرتشت کے پیروکار ہیں جن کا عہد آٹھویں صدی قبل مسح کا ہے۔ ساسانی سلطنت (226 تا 651) کو جب عروج حاصل ہوا اور یہ اکیلے دنیا کی سپر پاور کے منصب پر فائز ہوئی تب اس کا باضابطہ مذہب پارسی ہی تھا۔ ایرانی سماج میں جب میں جن کے 87 مرد اور 52 عورتیں پڑھی لکھی ہیں جبکہ پارسیوں میں یہ شرح بالترتیب 84 اور 60 فیصد ہے۔ اس طرح یقیناً پارسی ہی شہر کی سب سے پڑھی لکھی برادری تھی۔ واضح رہے اس دور میں مسلمانوں میں پڑھے لکھے افراد کی تعداد صرف تین فیصد کی تھی اور مہاجر بن کر گجرات کے ساحلوں پر آئے تو وہاں کے مقامی حکمران جادی رانا نے انہیں دودھ سے لباب بھرا پیالہ بھیجا۔ اس میں رمز یہ تھی کہ ہمارا ملک پہلے ہی لوگوں سے بھرا ہوا ہے اس میں کسی اور کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے جواب میں پارسیوں کے مذہبی پیشوں نے اس دودھ میں شکر ملا کر واپس راجہ کو بھجوایا۔



شہر کی ساخت اور بھان سنگھ جو میلی کے مکین سردار بھان سنگھ سینڈ کلاس اور روزانے پنجاب میں شمار کیے جانے والے بہت بڑے جاگیردار بیدی گر بخش سنگھ کلر سیداں قھرڈ کلاس مجسٹریٹ تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ شہر کی سماجی زندگی میں جو عزت و مرتبہ پارسیوں کو حاصل تھا وہ سری برادریاں اس سے کوسوں دور تھیں۔ جزوی میں راولپنڈی شہر کے پہلے کمپنی کی بنیاد رکھی۔ پارسیوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ لاہور اور بمبئی سے تجارت کی غرض سے راولپنڈی آئے تھے۔ 1855 کی مردم شماری کے مطابق شہر کی شروع ہوئی جب انگریزوں نے 1849 میں یہاں ہندوستان کی سب سے بڑی چھاؤنی کی بنیاد رکھی۔ پارسیوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ لاہور اور بمبئی سے ابادی 15913 افراد پر مشتمل تھی جو اگلے 36 سالوں یعنی 1891 میں بڑھ کر 73795 ہو گئی تھی (حوالہ راولپنڈی گزینشہر 1910)۔ اس کا واضح مطلب تھا کہ چھاؤنی کے بنے اور ریلوے نظام سے ملک ہونے کے بعد راولپنڈی کی ترقی کا نیادور شروع ہو گیا تھا۔ تقسیم کے وقت راولپنڈی شہر کی 56 فیصد آبادی غیر مسلم تھی، پر اس میں پارسیوں کی تعداد بہت کم تھی۔ یہ خالصتاً تجارت پیشہ کیونی تھی۔ جو صدر میں مختلف

تاںگہ سروس کی ان کی کپنی کا نام دھن جے بھائے اینڈ سنز تھا۔ پنڈی سے کشیر تک ان کے تانگے چلا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی سروس سے پہلے پنڈی سے سری فگر تک 200 میل کا سفر 14 دنوں میں ہوتا تھا لیکن ان کی شاندار سروس کی وجہ سے یہ سفراب 24 گھنٹوں میں سمٹ آیا تھا۔ جو یورپی سیاح سری نگر جاتے تھے وہی انہی کے تانگے سروس سے مستفید ہوتے کیونکہ اس زمانے میں سری نگر جانے کا بھی ایک راستہ تھا۔ ہر چند میل کے بعد ان کے تانگوں کے اڈے بننے تھے جہاں سے تازہ دم گھوڑے لے کر جوتے جاتے۔ یہ تانگے میں گیٹ سے چلتے تھے جس کے اوپر والی منزل پر شہر کی پہلی عوامی لائبریری دھن جی بھائے پبلک لائبریری بھی تھی۔ یہاں شہر کے علم دوست افراد کی مغلیں جما کرتیں۔ انہیں خان بہادر کے اعزازی خطاب کے ساتھ اوبی ای، یعنی آرڈر آف برٹش ایمپارکا خطاب بھی ملا ہوا تھا۔ 1893 میں انہیں قیصر ہند فرست کلاس گولڈ میڈل بھی دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ انہیں مکلت لائست ہاؤس کا اعزازی طور پر تاحیات رکن بھی بنایا گیا تھا اس لیے ان کے نام کے ساتھ کمودور بھی لگتا تھا۔ آپ ہندو ٹینکنیکل انسٹیوٹ لاہور کے گورنر بھی تھے۔ 25 سال سری کی میونسل کمیٹی کے رکن اور 12 سال نائب صدر بھی رہے۔ 1911 میں ان کا انتقال ہوا۔ ممتاز بھارتی صحافی اور ساتھ گجراتی لکھی ہوئی ہے جس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ راولپنڈی کے پارسی یا تو گجرات سے آئے تھے یا پھر یہ اپنی مادری زبان کے ساتھ جڑے ہوئے تھے۔

ای قبرستان میں ایک قبر جماس جی ہر موس جی بوگا کی بھی ہے جو 21 مارچ 1884 کو نبوت ہوئے وہ صورت کے مذہبی پیشوٹ تھے لیکن 1843 میں کراچی منتقل ہو گئے بعد ازاں وہ راولپنڈی آگئے اور یہاں جماس جی اینڈ سنز کے نام سے کاروبار شروع کیا۔ جسے ان کی اولادوں نے مزید بڑھایا اور پنڈی کے ساتھ کامل، جلال آباد، پشاور، فیروز پور، سکھر، حیدر آباد، جیکب آباد تک پھیلا دیا۔ اس قبرستان میں مرنے والوں کی آخری رسومات ادا کرنے لیے رومن طرز کی ایک عمارت بھی ہے جس میں دوسو کے قریب لوگوں کے شریک ہونے کی گنجائش موجود ہے۔ اس عمارت کے اندر اور اس کے برآمدوں میں زرتشت مذهب کے بانی کی تصاویر آؤیز اس کی بھی ہیں جن پر ان کے اقوال بھی درج ہیں۔ وہ شہر جو کبھی پارسیوں کے بغیر سانس نہیں لیتا تھا آج وہاں پارسیوں کو انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے۔ پارسیوں کے دیگر عبات خانے کہاں کہاں تھے کسی کو کچھ معلوم نہیں۔ شاید آج ان پر پلازے کھڑے کیے جا چکے ہوں۔ میں گیٹ جیسے اہم ورثے کو 50 سال پہلے ہی سڑک کھلی کرنے کے نام پر گردابیا گیا تھا۔ پارسیوں کی آخری نشانی قبرستان بھی اب قبضہ مافیا کے نشانے پر ہے۔ اسفنڈ یار جنڈا را کہتے ہیں کہ اگر حکومت نے انہیں تحفظ نہ دیا تو ما فیا ہمارے بزرگوں کی قبریں بھی مٹا دے گا۔

این اے اسفنڈ یار جنڈا را نے انڈینڈنٹ اردو کو اڑو یو دیتے ہوئے بتایا کہ تقیم کے وقت یہاں ستر اسی خاندان تھے مگر اب مشکل سے پانچ چھرہ گئے ہیں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا یہ تقیم کے وقت بھارت چلے گئے تھے، تو انہوں نے کہا کہ اس کی کوئی مستند تاریخ تو نہیں ہے شاید شہر میں ہونے والے ہنگاموں میں ان کی جائیدادوں کو بھی آگ لگائی گئی اور لوٹ مار کی گئی ہو۔ اگرچہ پارسیوں کا مسلمانوں کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں تھا لیکن شاید کچھ لوگ ان کی جائیدادوں کو تھیانا ناچاہتے تھے کیونکہ شہر کے سب سے متمول لوگ وہی تھے۔ ہو سکتا ہے سارے تقیم کے وقت نہ گئے ہوں لیکن بعد کے حالات اور موقع کی تلاش کی وجہ سے پارسی یورپ، امریکہ اور کینیڈا ہجرت کر گئے۔ اسفنڈ یار جنڈا را نے بتایا کہ میرے دادا پی ڈی جنڈا را نے 1947 میں میری بربوری کمپنی خرید لی تھی۔ میری بربوری کی بنیاد دو انگریزوں ایڈورڈ ائر ایڈورڈ ویپر نے 1861 میں میری میں رکھی تھی جو اس وقت ایشیا کی پہلی جدید ترین بربوری تھی جس کا مقصد انگریز فوجیوں اور افسر شاہی کی ضروریات پوری کرنا تھا۔ 1947 میں جب تقیم کے وقت ہونے والے فسادات کی وجہ سے میری میں بربوری کی فیکٹری کو آگ لگادی گئی تو میرے خاندان نے یہ کمپنی خرید کر اسے راولپنڈی منتقل کر دیا کیونکہ یہ جگہ بھی کمپنی کی ملکیت تھی۔



# انگریزوں کے سب سے بڑے خوشامدی:

## سر سید احمد خان؟

تحریر: ابو نائل

انگریز حکومت میں سر سید کی مخالفت کالا واپسٹ پڑا کہ اس شخص نے سرکاری ملازم ہوتے ہوئے یہ جراءت کیسے کی؟ چنانچہ ہندوستان کی حکومت کے فارن سیکریٹری میں بیڈن کو ششیں کیں اور علیگڑھ کے کالج کی بنیاد رکھی اور انہیں پستی کی حالت سے نکالا۔ جب کوئی معقول و جمہنہ بتا سکے تو اسے باز پرس ہونی چاہیے۔ اگر وہ اپنی نامعقول حرکت کی کوئی معقول وجہ نہ بتا سکے تو اسے عبرتاک سزادی نیچا ہے۔ اس کتاب میں سر سید نے کیا لکھا تھا؟ پہلے انہوں نے اس بات کی تردید کی کہ اس جنگ کے لئے پہلے سے کوئی سازش تیار کی گئی تھی۔ یا ایران یا کسی اور مسلمان ملک سے رابطہ کیا گیا تھا۔ سر سید کے نزدیک بہادر شاہ ظفر کی ذہنی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ کسی قسم کی سازش تیار کر سکے۔

تو پھر اس بغاوت کی کیا وجہ بی؟ سر سید نے اس کی سب سے اہم وجہ یہ بیان کی انگریز اس ملک کا لفظ و نق چلانے میں اور لمبیسلیٹیو کوئی نسل میں مقامی لوگوں کو شامل نہیں کر رہے تھے۔ وہ دوسرے ملک سے آئے تھے اور ایک اجنبی مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے لئے لازم تھا کہ وہ ہندوستانیوں کو قانون سازی اور حکومت کے کام میں شامل کریں مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ سر سید لکھتے ہیں: ”مگر لمبیسلیٹیو کوئی نسل میں مداخلت نہ رکھنے کی کوئی وجہ نہیں تھی پس یہی ایک بات ہے جو جڑ ہے تمام ہندوستان کے فساد کی اور جتنی باتیں اور جمع ہوتی گئیں



وہ سب اس کی شاخیں ہیں۔“

کانگریز نے ابھی تو جنم بھی نہیں لیا تھا۔ میرے علم کے مطابق سر سید وہ پہلے آدمی تھے جنہوں نے یہ مطالبہ کیا اور اسے برطانیہ میں تمام عماکدین سلطنت اور ممبران پارلیمنٹ تک پہنچا بھی دیا کہ مقامی لوگوں کو حکومت اور قانون سازی میں شامل کیا جائے۔ سر سید نے لکھا کہ لوگوں کو یقین ہوتا جا رہا تھا کہ حکومت ان کا مذہب تبدیل کرنے کی کوشش کرے گی۔ جب انگریز پادری یہاں آنے لگے تو انہوں نے دوسرے مذاہب کی مقدس شخصیات کے بارے میں نامناسب الفاظ استعمال کرنے شروع کیے۔ اور جب پادری واعظ کے لئے نکلنے تو تھانیدار کا چڑرا سی ساتھ جاتا۔ مشنری سکولوں میں سب کو عیسائیت کی تعلیم دی جانے لگی۔ اس پس منظر میں پادری ایڈ منڈ نے کلکتہ سے خط لکھا

جب ہم سکول میں مطالعہ پاکستان پڑھتے تھے تو ہمیں پڑھایا جاتا تھا کہ سر سید احمد خان قوم کے عظیم محسن تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو جدید تعلیم دلوانے کے لئے انتہک کوششیں کیں اور علیگڑھ کے کالج کی بنیاد رکھی اور انہیں پستی کی حالت سے نکالا۔ جب ہمیں نصابی کتب کے جھنجھٹ سے نجات ملی تو ایک اور طبقے کی آوازیں کان میں پڑیں کہ سر سید تو اول درجہ کے ”ابن ال وقت“ تھے۔ جب برطانوی سرکار کا سورج بلند ہوا تو ان کی غلامی کا دم بھرنے لگے۔ 1857ء میں انگریزوں کا ساتھ دیا اور اپنے ہم وطنوں سے بے وفائی کی۔ جنگ کرنے والے سپاہیوں کی مخالفت میں کمی صفحات سیاہ کیے اور انگریزوں کی اتنی خوشامدی کی حددی کر دی۔

اور تمام عمر انگریزوں کی چاپوں سیاہ کر کے خطابات اور عہدے حاصل کیے۔ ایسے آدمی کا توتیز سے نام لینا بھی رجعت پسندی کی علامت ہے۔

ہم میں سے اکثر نے سر سید کی تحریر کے چند صفحات بھی نہیں پڑھے ہوں گے۔ اس کالم کے لئے میں نے سر سید کی سب سے مشہور کتاب ”اسباب بغاوت ہند“ کا انتخاب کیا ہے۔ اس کتاب میں آپ نے ان وجوہات کا تجزیہ کیا ہے جن کی بنا پر 1857ء میں انگریزوں کے خلاف ان کی فوج میں شامل ہندوستانی سپاہیوں نے بغاوت کر دی۔ سر سید کا خاندان مغل بادشاہوں سے وابستہ تھا۔ ان کے نانا مغل دربار میں وزیر اعظم بھی رہے تھے۔ لیکن سر سید احمد خان نے شروع ہی سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت اختیار کی۔ آپ کو 1850ء میں رہتک میں ماتحت نج لگایا گیا اور 1855ء میں اسی عہدے پر بجنور [یوپی] میں مقرر کیا گیا۔ آپ بجنور میں ہی تھے کہ 1857ء کی جنگ کا ہنگامہ برپا ہوا۔ جنگ کے بعد فاتح انگریزوں کا سارا غصہ مسلمانوں پر نکلا۔ چاندنی چوک میں مسلمانوں کو چھانسیاں دی جاتیں۔ اور انگریز خواتین اور مرد تماشا دیکھتے۔

مسلمانوں کی جانیداد ایں ضبط کی گئیں اور جو مسلمان کی مجرمی کرتا وہ نوازا جاتا۔ جوان کے حق میں کچھ کہتا وہ معقوب بتتا۔ اگلے سال جولائی میں سر سید نے قلم اٹھایا اور اس کتاب کو لکھنا شروع کیا۔ کچھ عرصہ بعد اس کا انگریزی ترجمہ برطانیہ کے تمام ممبران پارلیمنٹ اور ہندوستان میں برطانوی حکومت کے کرتا وھڑتا احباب کو بھی بھجوایا گیا۔

## غزل

وہ بشر بے نظیر ہوتا ہے  
جکا زندہ ضمیر ہوتا ہے  
اسکا جینا بھی یار کیا جینا  
نفس کا جو اسیر ہوتا ہے۔  
نام بدنام پھر تو ہوگا ہی  
کام ہی جب حقیر ہوتا ہے  
حسن اخلاق کا جو ہو پکر  
وہ تو خیر کثیر ہوتا ہے۔  
جاہ وحشت کا اعتبار کہاں  
شاہ بھی تو فقیر ہوتا ہے۔  
مال و دولت پہ انحصار نہیں  
دل سے انساں امیر ہوتا ہے۔  
لفظ پر ہوش کا رکھو پھرہ  
یہ تو ترکش میں تیر ہوتا ہے۔  
شاعری کو جو خون دے بلکہ  
وہ ہی غالب یا میر ہوتا ہے۔



کہ اب سب کو عیسائی ہو جانا چاہیے اور یہ خط حکومت کے ملازموں کو بھی بھیجا گیا۔ یہ خط پڑھنے والوں کی آنکھوں کے آگے اندر ہیرا چھا گیا۔ انگریزوں نے ہندوستان میں ایسے قوانین بنانے شروع کیے جو مذہبی مداخلت کے زمرے میں آتے تھے۔

ہندوستان کے کئی خاندانوں کے پاس صدیوں سے ان کے بزرگوں کو انعام میں ملنے والی جائیدادیں چلی آ رہی تھیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے خفیف بہانے بنا کر انہیں ضبط کرنا شروع کیا۔ اور لوگوں میں یہ خیال راست ہو گیا کہ یہ سرکار ہمیں غریب کرتی جائے گی۔ برطانوی حکومت نے زمینوں کی آمد پر جو لیکس لگانے کا نظام وضع کیا اس میں بعض خوبیاں بھی تھیں لیکن کئی پرانے قوانین بلا وجہ تبدیل کر دیے گئے جو شیر شاہ سوری کے زمانے سے چلے آ رہے تھے۔ مثال کے طور پر زمیندار اگر پسند کرے تو قم کی بجائے حکومت کو غلہ دے سکتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ زرعی آمد کم ہو گئی اور کاشت کا ر غریب ہو گئے۔ اسلام پ کا جاری ہونا غریب ہندوستانیوں پر ایک ناجائز بوجھ تھا۔

حکومت کے نازک مزاج کارندے ہندوستان کے عوام کے حالات سے واقف نہیں تھے۔ اور ان سے میل جوں تک نہیں رکھتے تھے۔ حکومت نے اپنے آپ کو ہندوستانیوں سے اس طرح رکھا جیسے سوکھی گھاس کو آگ سے الگ رکھا جاتا ہے۔ کمپنی کی فوج ایک ذریعہ معاش تھی مگر اس میں انگریزوں نے صرف ملکوں کو جمع کیا ہوا تھا اور کوئی شریف شخص اس میں شامل ہونا پسند نہیں کرتا تھا۔ ہندوستان میں برطانیہ میں بنی ہوئی اشیاء کی بھرمار ہو گئی۔ جس کے نتیجہ میں اہل حرفة غریب سے غریب تر ہوتے گئے۔ برطانوی حکومت کے لئے لازم تھا کہ وہ ہندوستان کے لوگوں کی تنگدستی کی طرف توجہ کرتی مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ خاص طور پر کچھ سالوں سے حکومتی عہدیدار مقامی لوگوں سے بد تیزی سے پیش آتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک شریف آدمی اس بات پر محجور تھا کہ افسر سے بات کرتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر بات کرے۔ اور دل میں اپنی ذلت پر روتا تھا۔

سرسید نے لکھا کہ اس غرور کے باوجود جب جنگ کی چنگاریاں بھڑکنے لیں تو ایسٹ انڈیا کمپنی کے اکثر عہدیدار کوئی بیدار مغربی بھی نہ دکھا سکے۔ اور ان کے پاس حالات کو تابو کرنے اور سپاہیوں کو غیر مسلح کرنے کا موقع آیا لیکن انہوں نے اس کو ضائع کر دیا۔ خلاصہ کلام یہ کہ اس کتاب میں سرسید نے اس جنگ کی ذمداداری مسلمانوں کے سر سے اتار کر کمپنی کی حکومت پر ڈالی اور یہ کام اس وقت کیا جب کوئی انگریز کے سامنے بولنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ اور انہوں نے یہ ثابت کیا کہ اس جنگ کے بعد خاص طور پر مسلمانوں پر شدید مظالم کیے گئے۔ آپ سرسید سے لاکھا اختلاف کریں۔ مجھے خود ان کے کئی نظریات سے اختلاف ہے۔ لیکن میرا سوال یہ ہے کیا کوئی خوشامد مطلبی اور ابن الوقت سرکاری ملازم ہوتے ہوئے اتنی بڑی سلطنت کے سامنے اس طرح کا کلمہ حق کہہ سکتا ہے؟



# جو گندرنا تھو منڈل: پاکستان کے پہلے وزیر قانون جنپیں

## پاکستان میں 'غدار' اور انڈ یا میں 'سیاسی اچھوت' سمجھا گیا

تحریر: بقیٰ امام

پاکستان میں عموماً مذہبی جنوبیت میں اضافے اور پھیلاؤ کا ذمہ دار سابق فوجی امر نامہ شود رہا تھے۔ اس گروہ سے جو گندرنا تھو منڈل کا تعلق تھا جو تقسیم سے پہلے کی سیاست جزوی الحلق کے نظام حکومت اور اس کے بعد راجح ہونے والی ملائیت کی طاقت کو قرار میں دلوں کو مسلم لیگ کے بہت قریب لے آئے تھے۔ وہ سنہ 1930 کی دہائی سے دیا جاتا ہے۔ لیکن تاریخ کے ایک اہم کردار، جو گندرنا تھو منڈل، نے 70 برس قبل اس مسلم لیگ کے ایک مضبوط اتحادی تھے۔ پاکستان کی قانون ساز اسمبلی کا اجلاس 11 اگست سنہ 1947 کو ہوا تھا یعنی باقاعدہ آزادی سے تین روز قبل۔ اور جب انڈ یا اور پاکستان کو 14 اگست کی درمیانی شب کو آزادی ملی تو دلوں کے ساتھ اس کے سامنے مجھنے کی روشن کو قرار دیا تھا۔ بانی پاکستان محمد علی جناح

تعاقبات کے سامنے کو مسلم لیگ نے ڈھال دیا تھا۔ انڈ یا اور پاکستان دلوں کے پہلے وزیر قانون دلت تھے اس کے بعد جب انڈ یا میں بھی قانون سازی کا عمل شروع ہوا تو وہاں نہرو نے بھی اپنی کابینہ میں ایک غیر کانگریسی دلت رہنمای ڈاکٹر امید کر کو انڈ یا کا پہلا وزیر قانون نامزد کیا جن کے ذمے ملک کا پہلا آئینہ بنانا تھا۔ بانی پاکستان جناح کی تقریر صرف ایک دیڑن ہی نہیں تھا بلکہ ایک سیاسی حکمت عملی بھی تھی۔ اور اسی حکمت عملی کے مطابق انہوں نے تقریر سے پہلے بھگال کے ہندو دلت رہنمای جو گندرنا تھو منڈل میں پہنچنے تھے جن میں زیادہ بڑی تعداد مسلمانوں کی تھی۔ اس کے بعد دلت تھے، جنپیں شود بھی کہا جاتا تھا لیکن انگریزوں کے زمانے سے قانون ساز اسمبلی کے پہلے اجلاس کی صدارت کرائی۔ (یہ الگ بات ہے کہ پاکستان کی قومی اسمبلی کی ویب سائٹ پر پہلے سیکر کے طور پر منڈل کا نام اب موجود نہیں ہے)۔

### جو گندرنا تھو منڈل کون تھے؟

منڈل بھگال کے ایک قبیلے باقر گنج میں کسانوں کے ایک خاندان میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد کی خواہش تھی کہ گھر میں کچھ ہو یا نہ ہو، ان کا بیٹا تعلیم ضرور حاصل کرے۔ منڈل کی تعلیم کے لیے مالی مددان کے ایک بے اولاد بچپانے فراہم کی۔ مقامی سکول میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے بھگال کے علاقے باڑی سال میں واقع بہترین تعلیمی ادارے برج موہن کالج میں داخلہ حاصل کیا۔ باڑی سال مشرقی بھگال جو

پاکستان میں عموماً مذہبی جنوبیت میں اضافے اور پھیلاؤ کا ذمہ دار سابق فوجی امر نامہ شود رہا تھا۔ اس کے بعد راجح ہونے والی ملائیت کی طاقت کو قرار میں دلوں کو مسلم لیگ کے ایک مضبوط اتحادی تھے۔ پاکستان کی قانون ساز اسمبلی کا اجلاس 11 اگست سنہ 1947 کو ہوا تھا یعنی باقاعدہ آزادی سے تین روز قبل۔ اور جب انڈ یا اور پاکستانی اسمبلی شہنشہ کی نہب کو ایک آلہ کار کے طور پر استعمال کرنے اور پھر اس کے سامنے مجھنے کی روشن کو قرار دیا تھا۔ بانی پاکستان محمد علی جناح نے پاکستان کی قانون ساز اسمبلی کے پہلے اجلاس کی صدارت کی دعوت انھیں دی تھی۔ اور وہ پاکستان کے پہلے وزیر قانون بھی تھے۔ جو گندرنا تھو منڈل کا تعلق بھگال کی دلت برادری سے تھا۔ تقسیم ہند سے پہلے بھگال کی دلت برادری میں صرف برطانوی نوآبادیاتی نظام سے آزادی اہم معاملہ نہیں تھا بلکہ بعض لوگوں کی نظر میں اس سے بھی زیادہ اہم معاملہ بھگال میں زمینداری نظام کی چکلی میں پہنچنے تھی۔

میں پہنچنے والے کسان تھے جن میں زیادہ بڑی تعداد مسلمانوں کی تھی۔ اس کے بعد دلت تھے، جنپیں شود بھی کہا جاتا تھا لیکن انگریزوں کے زمانے میں انھیں شیدول کا سٹ کہا جانے لگا تھا۔ زمینداروں کی اکثریت ہندو بہمنوں اور کائیستوں کی تھی جنہیں مقامی زبان میں 'بھدرلوک' کہا جاتا تھا۔ غیر منقسم بھگال کی کل آبادی پانچ کروڑ س لاکھ نفوس پر مشتمل تھی، جن میں 80 لاکھ دلوں سمیت ہندوؤں کی کل تعداد دو کروڑ میں لاکھ تھی جبکہ مسلمانوں کی آبادی تقریباً دو کروڑ اسی لاکھ تھی۔ اونچی ذات کے ہندوؤں 'بھدرلوک' کی کل تعداد 30 لاکھ تھی۔ اس طرح مسلمانوں کی آبادی 45 فیصد تھی، جبکہ اس کے بعد دلت تھے اور پھر ہندو بہمن۔ مسیحی اور دیگر مذاہب ایک بہت ہی چھوٹی اقلیت تھے۔ دلوں میں جس نسلی گروہ کی سب سے زیادہ تعداد تھی وہ مہیشیا تھے جن کی تعداد 35 لاکھ تھی اور اس کے بعد دلوں کا دوسرا بڑا گروہ



بعد میں مشرقی پاکستان بننا، کا ایک شہر تھا۔ انہوں نے تعلیم کے بعد باری سال کی میونپل لیے کیا کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ مسلم کمیونٹی، جس نے انڈیا میں اقلیت ہوتے ہوئے اپنے حقوق حاصل کرنے کی جدوجہد کی، وہ اپنے ملک میں اقلیتوں کے ساتھ نہ صرف انصاف کرے گی بلکہ ان کے لیے وسیع القلبی کا مظاہرہ کرے گی۔ امریکہ کی جانزہ پاکنر یونیورسٹی سے دامتہ غزل آصف اپنے حالیہ تحقیقی مقالے جو گندرناتھ منڈل اینڈ پولیٹکس آف دلت ری گلینیشن ان پاکستان میں کہتی ہیں کہ پاکستان کے بنے میں منڈل نے دلوں کی آزادی کے خواب کی تکمیل ہوتے ہوئے دیکھی تھی، لیکن نئی ریاست کی ہندو اقلیت کے اندر ونی فرق کو سمجھے بغیر (یعنی شیڈول کاسٹ اور اوپھی ذات کے ہندوؤں) میں فرق کے بغیر اقلیت کو ایک اکائی سمجھنے والے ریاست کے نظریے کے سامنے منڈل کا ویژن ٹھہرنا سکا۔

### کیا پاکستان نے منڈل کے ساتھ زیادتی کی؟

پروفیسر اسیر بان بندھیو پادھیاۓ کہتے ہیں کہ یہ جاننا کہ جو گندرناتھ منڈل کے ساتھ پاکستان میں زیادتی ہوئی تھی آسان کام نہیں ہے۔ پروفیسر بندھیو پادھیاۓ انڈین ریاست گجرات کے شہر گاندھی نگر کے کشاوی کالج کے شعبہ تاریخ سے دامتہ ہیں اور امید کراں منڈل پر ایک تحقیقاتی مقالے کے مصنف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں ایک منصانہ جواب تھی جو اسکے گا جب کوئی تاریخ دان پاکستان کے آرکائیوں کو کھنگالے، تاہم (منڈل) نے اپنا موقف اپنے طویل ٹائپ شدہ استعفی میں پیش کردا یا

تحا جا انہوں نے اپنی سرکار کو بھیجا تھا۔ یہ استعفی بہت واضح ہے۔ اصل میں سوال ٹھیک طریقے سے ہونا چاہیے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ (نئی ریاست) کے مستقبل کے شہریوں کے لیے برابری کے حقوق دیے جانے کے بلند و بالغ دعوے جانا نے کیے تھے۔ ان کے ساتھ تو خود کچھ دھوکہ ہوا اور کچھ بے وفائی کی گئی۔ پروفیسر بندھیو پادھیاۓ کہتے ہیں کہ جناح واقعی اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ جونہ بھی قوم پرستی کا عفریت انہوں نے چھوڑا تھا وہ اُس پر قابو پانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ان کی یہ سوچ غلط ثابت ہوئی۔ وہ ایک بہت ہی شریف نفس انسان تھے جنہوں نے اپنی طاقت کا غلط اندازہ لگایا تھا۔ آئے والے دنوں میں ان کی اچانک موت نے پاکستان کے انتہا پسندوں کو عملاء کیا تھا۔ اُنے والے دنوں میں ان کی اچانک موت نے پاکستان کے انتہا پسندوں کو عملاء شری بے مہار کر دیا۔ وہ مزید کہتے ہیں یہ مخفی اتفاق نہیں تھا کہ منڈل کو اُس ماحول میں کامل طور پر غیر اہم بنا کر الگ تھلک کر دیا گیا تھا، ان کے لیے زندگی اتنی تھا ہو گئی تھی کہ انہیں پاکستان سے بھاگنا پڑا۔ اگر انہیں کسی بات سے پاکستان میں دھوکہ ہوا تھا تو وہ جناح کا اپنے اختیار کے بارے میں غلط اندازہ تھا۔

سرگرمیوں سے اپنی سیاست کا آغاز کیا اور نچلے طبقے کی حیثیت کو بہتر کروانے کے لیے جدوجہد شروع کی۔ اگرچہ ہندوستان کی تقسیم کے حامی نہیں تھے مگر انہوں نے محسوس کیا تھا کہ اوپھی ذات کے ہندوؤں میں رہتے ہوئے شورروں کے حالات بہتر نہیں ہو سکتے ہیں اور اسی لیے پاکستان ان کے لیے ایک بہتر موقع ہو سکتا ہے۔ جب انہوں نے جناح کی یقین دہانیوں کے بعد پاکستان جانے کا فیصلہ کیا تھا تو انہیں ان کے ساتھی اور انڈیا کے سب سے بڑے دلت رہنماؤ اکٹھ بھیم راؤ رام جی امید کرنے خبردار کیا تھا۔ اکٹھ امید کراں اپنا تعلق مہاراشٹر سے تھا۔ تاہم قدرت کا کرنا ایسا ہوا کہ جس طرح ڈاکٹر امید کراں نیا کے وزیر قانون بنے، اُسی طرح جو گندرناتھ منڈل بھی پاکستان کے وزیر قانون بنے۔ اور پھر دونوں کو چند برسوں کے بعد اپنے عہدوں سے استعفی دیا۔ منڈل آٹھ اکتوبر 1950 کو مستعفی ہوئے، جبکہ امید کرنے 27 ستمبر 1951 کو مستعفی دیا۔ دونوں میں فرق یہ تھا کہ منڈل مایوس ہو کر مستعفی ہوئے اور ملک کا آئینہ بننے ہوئے نہیں دیکھ سکے جبکہ امید کرنے انڈیا کا آئین جنوری سنہ 1950 میں مکمل کر کے اپنا تاریخی کردار بھر جاں ادا کیا۔ آئین بننے کے بعد امید کرنے ہندوؤں کے وراثت کے قانون میں لڑکیوں کو لڑکوں کے برابر جائیداد میں حق کے لیے قانون سازی کی کوشش کی، جس میں ناکامی پر استعفی دے دیا۔

### 11 اگست کی تقریر اور اقلیتیں

مورخین کا خیال ہے کہ پاکستان کے بانی اور ملک کے پہلے گورنر جنرل محمد علی جناح کی 11 اگست 1947 کی تقریر میں انہوں نے پاکستان کے مستقبل کا خاکہ پیش کرتے ہوئے ملک کی پہلی قانون ساز اسمبلی کے اجلاس سے صدارتی خطاب کرتے ہوئے ریاست کو مذہب سے الگ رکھنے کا اعلان کیا تھا۔ اسی خطاب میں جناح نے یہ بھی کہا تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہندو ہندو نہیں رہے گا اور نہ مسلمان مسلمان رہے گا، مذہبی لحاظ سے نہیں کیونکہ مذہب ایک ذاتی معاملہ ہے، بلکہ سیاسی لحاظ سے ایک ریاست کے شہری ہوتے ہوئے۔ جناح نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم ایک ایسے دور کی جانب سفر کرنے جا رہے ہیں جب کسی سے بھی کوئی امتیازی سلوک نہیں ہو گا، ایک کمیونٹی کو دوسری پر فضیلت نہیں دی جائے گی، کسی ذات یانسل سے امتیازی سلوک نہیں ہو گا۔ ہم اس بنیادی اصول کے ساتھ اپنے سفر کا آغاز کر رہے ہیں کہ ہم سب شہری ہیں اور ہم سب اس ریاست کے برابر کے شہری ہیں۔ بانی پاکستان کے اس خطاب سے ایک روز پہلے قائم مقام چیزیں میں اور نئی ریاست کے قانون ساز اسمبلی کے پہلے سیکری کی حیثیت سے

نے اس دورانِ مشرقی پاکستان میں دلوں پر ہونے والے مظالم کی وزیرِ اعظم سے کئی بار شکایت کی۔ پھر انہوں نے اکتوبر میں استعفی دیا جس میں انہوں نے قلیتوں کے مستقبل کے بارے میں اپنی مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے ان اسباب کا ذکر کیا جن کی وجہ سے ان کی یہ رائے قائم ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنے استعفی میں کہا کہ بگال میں سینکڑوں دلوں کی، فوج، پولیس اور مسلم لیگی کارکنوں کے ہاتھوں ہلاکتوں کے کئی واقعات پیش آئے ہیں۔ منڈل کے بار بار شکایت کرنے پر وزیرِ اعظم لیاقت علی خان نے منڈل سے تفصیلات طلب کیں۔ لیکن اب وقت بہت گزر چکا تھا۔ منڈل نے تفصیلات اپنے استعفی میں پیش کیں۔ اس لیے ان کے خط یا استعفے میں ایک ترتیب کے ساتھ پولیس اور مقامی مسلمانوں کی جانب سے دلوں (شیدوں کا سٹ) پر ہونے والے تشدد کے واقعات کی تفصیلات لکھی ہوئی تھیں۔ منڈل نے کھلنا اور باڑی سال میں جو کہ ان کا انتخابی حلقہ تھا وہاں ہونے والے تشدد کے واقعات کی وہی تفصیل لکھی جو کہ مقامی دلوں نے انھیں لکھ دیجی تھی۔ انہوں نے ایک گاؤں میں فصلوں کی کثائی پر ہونے والے ایک واقعے کا بھی ذکر کیا جس میں تصادم کے دوران ایک مسلمان ہلاک ہو گیا تھا جس کے بدلتے میں مقامی پولیس اور ایک مسلم تنظیم انصار کی مدد سے نامہ شورا دلوں کے گاؤں کے گاؤں لوٹے گئے۔ دلوں کے ساتھ ہونے والے جرائم کی فہرست کچھ اسی طرح کی تھی جو کہ تقسیم کے وقت ہونے والے تشدد کے دوران دیکھی گئی تھی اور اب اس میں دلوں کے ساتھ مظالم کے واقعات کا بھی ذکر تھا: بالآخر مسلمان بنانا، عورتوں کے ساتھ زیادتی، لوٹ مار، بھتہ وصول کرنا، گائے کا ذبح کیا جانا، اور دلوں کی عبادت گاہوں سے ان کے مذہبی تبرکات کی توہین کرنا، وغیرہ۔

### تقسیم ہند پر منڈل کے خیالات

جو گندر ناٹھ منڈل نے اپنے استعفی میں تقسیم ہند کی بات کرتے ہوئے کہا کہ ”اگرچہ میں سمجھتا تھا کہ اوپری ذات کے ہندوؤں کے مسلمانوں کے ساتھ رویے کی وجہ سے اتنی یا کی تقسیم مسلمانوں کی شکایتوں کا جائز جواب تھا، لیکن مجھے یقین تھا کہ پاکستان کی تخلیق فرقہ واریت (کیوں) کے مسئلے کا حل نہیں ہوگی۔ اس کے برعکس اس سے فرقہ واریت اور فرتوں میں مزید شدت پیدا ہوگی۔“ اس کے علاوہ میرا یہ پختہ خیال ہے کہ (تخلیق پاکستان) سے مسلمانوں کے حالات میں بہتری نہیں آئے گی۔ تقسیم کا ناگزیر نتیجہ یہ نکلے گا کہ مستقل طور پر نہ ہیں، لیکن طویل عرصے کے لیے دونوں ملکوں کے محنت کش لوگوں کے لیے غربت، جہالت اور تکلفوں کا دور دورہ رہے گا۔ میرا یہ خدشہ ہے کہ پاکستان جنوب مشرقی ایشیا کا شاید سب سے زیادہ

لاہور یونیورسٹی آف مینیچن سائنسز سے وابستہ محقق اور مورخ ڈاکٹر علی عثمان قاسمی کہتے ہیں کہ ایک دولت کو (ملک کی بھلی) آئین ساز اسمبلی کا سربراہ بنا کر قائدِ اعظم نے پاکستان کے ویژن کے بارے میں بہت واضح اشارہ دیا تھا۔ اگر وہ اقلیتی رہنماء کو صرف علامتی نمائندگی دینا چاہتے تو وہ صرف ایک وزارت ہی دینے پر اکتفا کرتے۔ علی عثمان قاسمی کہتے ہیں کہ ”(جناب) ایک علامتی نمائندگی سے زیادہ اہم بات پیش کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے (سنہ 1949 میں) منڈل کا قرارداد مقاصد کی منتظری کے بعد پاکستان چھوڑ کر چلے جانا پاکستان کی تاریخ کا ایک بہت اہم موڑ ہے کیونکہ اب وہ دیکھ سکتے تھے کہ نئی ریاست (پاکستان) کا سفر جناب کے ویژن سے مختلف ہو چکا ہے۔ جو گندر ناٹھ منڈل ایک دن کے لیے قانون ساز اسمبلی کے چیئرمین منتخب ہوئے تھے، اگلے دن محمد علی جناب اس کے صدر منتخب ہوئے۔ لیکن جب پاکستان کی پہلی کابینہ میں منڈل کو وزیر قانون بنایا گیا تھا اور جب تک جناب بقیدِ حیات رہے انہوں نے بظاہر کوئی شکایت نہیں کی۔ بانی پاکستان محمد علی جناب کے انتقال کے بعد کئی ایک ایسے واقعات ہوئے جن سے جو گندر ناٹھ منڈل اس بات سے مایوس ہو گئے کہ اس ملک میں اقلیتوں کے ساتھ جو وعدے کیے گئے تھے انھیں اب پورا کرنے والا کوئی نہیں ہے، بلکہ ایسے افراد حکومتی عہدوں پر فائز ہو گئے ہیں جو بہت زیادہ شد و مدد کے ساتھ مذہب کو ریاست پر مسلط کر رہے ہیں۔ اور اسی پس منظر میں قرارداد مقاصد منتظر ہوئی جس کے حق میں سوائے میاں افتخار الدین کے تمام مسلمان ارکان اسمبلی نے ووٹ دیا جبکہ اقلیتوں کے تمام ارکان نے، مساوائے ایک کے، اس قرارداد کی مخالفت کی۔ ایک اقلیتی رکن نے تو یہ تک کہا تھا کہ اگر قائدِ اعظم زندہ ہوتے تو ایسی قرارداد کبھی منتظر نہ ہوتی۔ ستم ظریفی دیکھیے کہ قرارداد مقاصد کے حق میں ووٹ دینے والے واحد اقلیتی رہنماء خود منڈل تھے۔ غزل آصف اپنے تحقیقی مقالے میں کہتی ہیں کہ پاکستانی اقلیتوں کے بارے میں تمام محققین اس بات پر متفق ہیں کہ قرارداد مقاصد (پاکستان کی تاریخ کا) ایک ایسا لمحہ تھا جب پاکستان کو مسلمانوں کی اسلامی ریاست بنانے کے لیے اقلیتوں کے تمام خدشات کو یکسر نظر انداز کر دیا گی۔ خاص کر دلوں کا اپنی آئینی حدیثت کو تسلیم کروانا، جو کسی بھی صورت میں اس قرارداد سے متصادم نہ تھا،

### منڈل کا استعفیٰ اور اٹھ یار و اونگی

منڈل وزیرِ اعظم لیاقت علی خان کی کابینہ میں سنہ 1950 تک شامل رہے۔ انہوں

پسمندہ ملک بن جائے گا۔

علاقے تھے۔ وہاں کی زمین خشک کر لینے کے بعد اب وہاں امیر لوگوں کا ایک رہائشی علاقہ تعمیر ہو چکا ہے۔ پہلے وہاں دلوں کی کچھ آبادیاں ہوتی تھیں جہاں منڈل نے رہائش اختیار کی تھی۔ منڈل نے اس علاقے میں انتہائی غربت کے دن گزارے۔ اس علاقے کے لوگ بہت ہی بڑی حالت میں رہتے تھے۔ ان کی جگہ کے سامنے ہر وقت دلوں کا تانتا بندھا رہتا تھا تاکہ وہ ان کے مسائل حل کرو سکیں۔ ان میں زیادہ تر مسائل تو نوکریوں اور ملازمتوں سے متعلق تھے۔ لیکن وہ دولت جنہیں مشرقی پاکستان میں

تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا، وہ مغربی بنگال بھارت کرنے پر مجبور ہوئے تھے، ان کی آبادکاری کے علیین مسائل تھے۔ یہ لوگ لٹھ پڑے ملکتہ پہنچ تھے۔ ان مہاجرین کو ائمہ دین حکومت نے وہ سہوتیں نہیں دی تھیں جو پاکستانی پنجاب سے آئے والوں کو نہرہ حکومت نے دی تھیں۔

### جو گن علی ملہ

منڈل ایک معروف شخصیت تو تھے مگر اب ان کے پاس نہ مسائل تھے اور نہ ان کا اثر درسوخ باقی رہ گیا تھا۔ پاکستان سے سابقہ تعلق کی وجہ سے اوپنی ذات کے ہندو اُن کو تقسیم کا اور اپنے موجودہ صاحب کا ذمہ دار تھہرا تھے۔ ان کا تفسیر اڑاتے ہوئے انھیں جو گندر ناتھ منڈل کی جگہ 'جو گن علی ملہ' کہہ کر پکارتے تھے۔ پروفیسر بندھیو پادھیاۓ کہتے ہیں کہ تمام بڑی سیاسی جماعتیں بہت احتیاط کے ساتھ ان سے فاصلہ رکھتی تھیں۔ یہاں تک کہ وہ (اپنی حیثیت یاددالاتے ہوئے اور اپنی ذات کے لوگوں کے مسائل کے حل کے لیے) جب وزیر اعلیٰ بنگال یا وزیر اعظم انڈیا کو یاد گیر حکام کو خیم خطوط لکھتے تھے تو بھی کبھار افسران یا حکام انھیں ملاقات کا موقع دے دیتے تھے، لیکن ان کی شکایتوں کا شاید ہی کبھی ازالہ ہوا ہو۔ تاہم انھوں نے کبھی بہت نہیں باری۔ وہ اس وقت بھی ایک جوان والی ہمت رکھتے تھے۔

### انتخابی سیاست

پروفیسر بندھیو پادھیاۓ کے مطابق سنہ 1950 میں وہ 46 برس کے تھے اور موت کے وقت 64 سال کے تھے۔ وہ کہیں نہ کہیں سے کچھ وسائل حاصل کر کے ایکشن میں حصہ لیتے رہے لیکن چاروں مرتبہ ان کی حفاظت ضبط ہوئی۔ انھوں نے چھوٹی سٹھ کے اخبار یا جریدے بھی شائع کرنے کی کوشش کی لیکن ان کے قارئین کی تعداد کم تھی۔ ان کے اپنے ساتھی اور پیر دکاران کی تحریک کو جھوڑ کر ملک کی بڑی پارٹیوں میں چلے گئے، بندھیو پادھیاۓ کہتے ہیں کہ اب ان کے پاس سرپرستی کرنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ ان کا ایک پیر دکار، مثال کے طور پر ابوربل موجودہ ار، نے مختلف جماعت کی نکت پر ان

جو گندر ناتھ منڈل نے اپنے طویل استعفیٰ میں جہاں اقلیتوں پر ہونے والے مظالم کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا تھا ویں انھوں نے یہ بھی کہا کہ نہ صرف اقلیتوں کے ساتھ بلکہ پاکستان میں وہ مسلمان، جو لیگی حکمرانوں اور ان کی اتحادی بدعنوان نوکرشاہی کے دائرے سے باہر ہیں ان کی بھی تذلیل کی جاتی ہے۔

### منڈل کو غدار کہا

جو گندر ناتھ منڈل کا استعفیٰ تی پاکستانی ریاست کے لیے ایک بہت بڑی سیاسی سکینڈل بن گیا تھا۔ خاص کر جب منڈل ملکتہ منتقل ہو گئے تو انھوں نے مزید سخت الزامات عائد کیے۔ غزل آصف اپنے مقالے میں پاکستان کی میشیل آر کائیوز سے حاصل ہونے والی دستاویزات کے حوالے سے لکھتی ہیں کہ منڈل کے بیانات کو ایک 'دھوکہ' کہتے ہوئے انھیں 'جھوٹا، غدار اور بزدل' کہا گیا۔ ان کے بیٹے جگیدش چندر امنڈل نے پروفیسر انیر بان بندھیو پادھیاۓ کو بتایا تھا کہ جب ان کے والد کراچی میں رہتے تھے تو وزیر ہوتے ہوئے بھی انھیں ہر معاملے سے الگ تھلگ کر دیا گیا تھا۔ انھوں نے پاکستان میں جناح پر بھروسہ کرتے ہوئے دلوں کے بہتر مستقبل کی امید پر انڈیا میں اپنا جو کچھ بھی تھا، سب کچھ چھوڑ دیا تھا، لیکن جناح کے بعد اسی پاکستان میں انھیں سیاسی اچھوت بنادیا گیا تھا۔

### انڈیا میں سیاسی اچھوت

منڈل مسٹفی ہو کر سنہ 1950 میں انڈیا کی ریاست بنگال منتقل ہو گئے تو وہاں انھیں اپنی ذات کے لوگوں میں بھی نکل کی رگاہ سے دیکھا جانے لگا تھا کیونکہ وہ پاکستان سے ہو کر آئے تھے۔ اگرچہ پاکستان جانے سے پہلے وہ انڈیا میں دلوں کے سب سے بڑے رہنماؤں کثراً امید کر کے ساتھی رہے تھے، لیکن اب منڈل کا ساتھ دینے والا کوئی نہیں تھا۔ منڈل ہی نے تقسیم سے پہلے سنہ 1946 میں ڈاکٹر امید کر کو انڈیا نیشنل میسیسلیوں کو نسل کارکن بنوانے کے لیے اپنے زیر اثر ایک حلقے سے منتخب کروایا تھا۔ لیکن جب منڈل سنہ 1950 میں انڈیا واپس گئے تو وہ اب نہ صرف ایک نامہ شودرا اچھوت تھے بلکہ ایک سیاسی اچھوت بھی ہو چکے تھے۔

### سابق وزیر کی جھگیوں میں رہائش

پاکستان سے سنہ 1950 میں انڈیا منتقل ہونے کے بعد سے سنہ 1968 کے عرصے کے دوران انھوں نے اپنا زیادہ وقت ملکتہ کے اس دور کے ایک پسمندہ مضافاتی علاقے میں بسر کیا۔ یہ اس وقت کی معروف رابندر اسر و باریاڑھا کوریا جھیل کے دلداری

کے خلاف ایکشن لڑا اور انھیں با آسانی شکست دے دی۔ انھوں نے ملتوں کی ایک جماعت مہاسیہ سماج کے ساتھ اتحاد بنانے کی بھی کوشش کی لیکن بنگال میں پچاس کی دہائی کے بعد بھلی ذات کے حقوق کے نام پر کمک جانی والی سیاست کی اپیل اب کمزور ہو چکی تھی،

### منڈل ہبر باری کے ذمہ دار

جب کسی کے خلاف ہوا چلتی ہے تو لوگ اس سے اُس کی اچھائیاں چھین لیتے ہیں اور اس میں وہ برائیاں بھی ڈال دیتے ہیں جو اس میں نہیں ہوتی ہیں۔ اب عام لوگ منڈل کو سنہ 1943 کے بنگال کے قحط کا بھی ذمہ دار قرار دینے لگے تھے کیونکہ وہ اس وقت کی خواجہ ناظم الدین کی حکومت میں سول سالائز کے وزیر تھے۔ (حالانکہ اب کچھ محققین چرچل کو اس قحط کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔)

اور بعد میں سنہ 1946 میں ہونے والے ہندو مسلم فسادات کا بھی انھیں ذمہ دار ٹھہرایا گیا تھا (یہ فسادات جناح کے ڈائریکٹ ایکشن کے اعلان کے بعد شروع ہوئے تھے اور ان میں پانچ سے دس ہزار افراد ہلاک ہوئے تھے)۔ ان کے اپنے حامیوں نے حکومتی مشینری سے آباد کاری، نوکریوں جیسی ریلیف اور سہولتیں لینے کے لیے بڑی سیاسی جماعتوں کی جانب جانا شروع کر دیا تھا۔ تاہم اس بات پر سب مورخین متفق ہیں کہ منڈل نے کبھی بھی ہمت نہیں باری۔ وہ ایک انتہک محنت کرنے والے انسان تھے۔ وہ سیاست میں اپنا مقام بنانے کے لیے لڑتے رہے اور بھلی ذاتوں کے لوگوں کے حقوق کی آواز بننے رہے۔ ان کی موت جدوجہد کے اسی سفر کے دوران ہوئی۔

### پراسرار موت یاقلن

اہمروں کا لج میں ساوتھے ایشیا سٹریز کے پروفیسر دے پیون میں اپنی کتاب دی ڈیکلائیں آف دی کاسٹ کو تھیں: جو گندر ناتھ منڈل ایئڈ دی ڈیفیٹ آف دلت پولیکس ان بنگال، میں اشارہ دیتے ہیں کہ انڈیا والیسی کے بعد بھی ان کی سیاست اونچی ذات کے ہندوؤں کے لیے خطرہ تھی چاہے وہ کانگریس کے برہمن تھے، ہندو مہا سभا کے تھے یا کیونوٹ پارٹی کے۔ امریکہ کی یونیورسٹی آف ٹکنیکس سے وابستہ معروف تاریخ دان ڈاکٹر عائشہ جلال کہتی ہیں کہ منڈل کے پاکستان چھوڑ کر واپس انڈیا منتقل ہونے کے فیصلے کی بہت ہی سادہ وجہ مذہبی تعصباً جس کی وجہ سے وہ مسلم لیگ کے رہنماؤں کے لیے ناقابل قبول ہو گئے تھے جو ان کی نئے ملک کے ساتھ وفاداری پر اس لیے سوالات کرتے تھے کیونکہ وہ ایک بھلی ذات کے ہندو تھے۔ منڈل نے لیاقت علی

## ضروری اعلان

ادارہ کے مالی حالات کے پیش نظر اور اس کو جاری رکھنے اور مزید بہتر ترقی دینے کی خاطر "ماہنامہ لاہور انٹرنیشنل" اور خواتین ڈا جسٹ "آئینہ" لاہور ممالکہ وزبانوں اردو اور انگریزی میں لندن سے شائع ہوتے ہیں۔ ان تینوں رسالوں کو ادارہ اپنی ذاتی مالی حیثیت کے مطابق کئی رسالوں سے جاری رکھنے ہے۔ دنیا کے تمام قارئین کے لئے یہ ایک معیاری اور پسندیدہ رسالے ہیں۔ ان کا خاص مقصد معاشرہ کی بہتر اصلاح، سچی کھری صحافت اور اسلام کی ترقی کے لئے یہ ایک تبلیغی کوشش ہے۔ یاد رہے ایسے اخبارات و رسائل کو جاری رکھنے کے لئے ایک بڑا ادارہ یا بُرس میں یا اشتہارات کی ضرورت ہوتی ہے جوہ میں میسر نہیں۔

آپ تمام سے عائز احمد رخواست ہے کہ اس کی ماہنامی مد فرمائے اس کا لخیر میں اپنا حصہ ڈالئے۔ آپکی یہ معمولی رقم ہماری ہمت افزائی اور ترقی کا باعث ہو گی۔ آپ اپنی رقم درج ذیل بُنك میں جمع کر داسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

**Bank Name:**  
Lloyds Bank PLC

**Account Name:**

Lahore International LTD

**Account No:**

42534160

**Sort Code:**

30-96-26

**IBAN:** GB89Loyd

3096242534160



## لاہور انٹرنیشنل بین الاقوامی ترجمان ہے۔

ملک کی سیاسی، سماجی، مذہبی، ادبی، معاشرتی اور ثقافتی صورت حال کا تجزیہ، تعلیم و تدریس و تربیت سے متعلق اہم مضامین کا آئینہ دار ہے۔

دورہ پڑا تھا جب وہ ایک کشتمی میں سوار دریا عبور کر رہے تھے۔ اس وقت سوائے ملاج کے اور کوئی گواہ نہ تھا۔ ان کی نعش کا پوسٹ مارٹم بھی نہیں ہوا تھا۔ یہ بات ان کے بیٹے جگدیش چندر منڈل نے اپنی تصنیف میں بیان کی ہے۔ ان کے بیٹے نے کتنی برس بعد اپنے والد کی تحریروں پر مشتمل سات جلدیں شائع کیں تھیں۔ پروفیسر انیر بان بندھیو پا دھیائے کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک دوپہر سفر پر جانے سے پہلے کھانا کھایا اور وہ بالکل صحت مند تھے۔ شام کو انہوں نے ایک سیاسی جلسے میں شرکت کرنا تھی، ان کے چھوٹے بیٹے نے اصرار کیا کہ وہ نہ جائیں۔ منڈل کو بتایا گیا تھا کہ ان کے نہ جانے سے پیچید گیاں پیدا ہوں گی، بہر حال منڈل کی موت کی اصل وجہ کے بارے میں حتی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے۔ اور شاید کبھی بھی معلوم نہ ہو سکے۔ لیکن دوسری جانب، پروفیسر سین میں اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ حتی شاہد کے ذریعے یہ طنہیں کیا جا سکتا کہ ان کی موت کیسے ہوئی۔ لیکن جو گندر ناتھ منڈل کے بیٹے جگدیش کہتے ہیں کہ ان کے والد کی لاش کی حالت ایسی تھی کہ جس سے نظر آتا تھا کہ وہ قادر تی موت نہیں مرے۔ اسی لیے اس زمانے کے سیاسی حالات اور ان کی میت کی حالات کے بارے میں بیانات کو مدد نظر رکھتے ہوئے پروفیسر سین اسے پُر اسرار موت، قرار دیتے ہوئے اس شک کا اظہار کرتے ہیں کہ انھیں زہر دیا گیا تھا۔ وہ کہتے ہیں ان کی موت پُر اسرار حالت میں ہوئی جس سے شک یہ پیدا ہوتا ہے کہ انھیں قتل کیا گیا۔

**زنده درگور**

پروفیسر دوے پیون سین کہتے ہیں کہ سب باتوں کو اگر کٹھا کر کے دیکھا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ منڈل نے مغربی بنگال میں دولت سیاست کرنے کی ناممکنات کو نہ زیادہ طاقتور سمجھا، اور نہ ہی بظاہر نامعلوم رکاوٹوں کو، جنہوں نے ہمیشہ ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالے رکھیں، درخور اعتماء سمجھا۔ جیسا کہ (منڈل) کے ایک واقف وکیل کہتے ہیں کہ انہوں نے منڈل کو ڈھلتی عمر کے دنوں میں ایک بار یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ نہیں نے محسوس کیا ہے کہ زندہ درگور کیا جانا کیسا ہوتا ہے۔ منڈل نے پاکستان آ کر کتنی بڑی غلطی کی یا آیا یہ غلطی تھی بھی، ابھی اس بات کا بھی طے کیا جانا باقی ہے۔ پروفیسر سین کے خیال میں بنگال میں دلوں کی سیاست ان کی موت کے ساتھ شکست کھا گئی۔ لیکن ایکسوں صدی کے حالات جن میں انہیا پسند ہندونہ صرف تقلیقوں کے لیے بلکہ دلوں کے لیے ایک مرتبہ پھر سے زندگی شکنگ کر رہے ہیں، لگتا ہے کہ انڈیا میں ایک نئے جو گندر ناتھ منڈل کی ضرورت جنم لے رہی ہے۔ (بِشَّرِيَّةِ بَلِيَّةِ سَىِّدِ أَرْدُو)



## دریائے سندھ

جب برصغیر کے شمال مغرب کے علاقے میں ریلوے لائن تیار کی جا رہی تھی تو اس کے لیے جو نقشہ تیار ہوا اس میں دریائے سندھ کو کیلاش سے نکلتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ بہر حال انیسویں صدی کی ابتدائیک اس کا منبع مختلف رہا اور سطح مرتفع کے پیچیدہ اور وسیع علاقے کی وادیوں اور چوٹیوں کی نشاندہی مغض اندازے سے ہوتی رہی۔ انیسویں صدی کے آخریک کئی یورپین نے جھیل مانسرور کا سفر کیا اور دریائے سندھ کے منبع کو تلاش کرنے کی کوشش کی۔ ان کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ تمیٰ احکام کسی یورپین کو اس جھیل کا سروے نہیں کرنے دیتے تھے۔ پھر بھی بہت سے یورپین بھیں بدل کر وہاں پہنچ گئے اور انیسویں صدی کے اختتام تک ستلچ (ہاتھی دریا) اور کرناٹی (مور دریا) کے منبع تلاش کر لیے گئے۔ یہ پندرہ میل دور جنوب مغرب کی طرف شیطانی یا راکشس جھیل سے نکلتے ہیں جو ایک جھوٹی سی ندی کے ذریعہ مانسرور جھیل سے منکر ہے۔ مگر گھوڑا دریا اور شیر بر دریا (برہما پتھر اور سندھ) کے منبع کا اب تک پہنچنے میں چلا تھا اور انہیں ان کے درست منبع کا ابھی تک پہنچنے نہیں تھا۔ یہ اعزاز ایک سو یڈش سیاح سیون ہیڈن کو ملا۔ وہ اس سے پہلے مانسرور سے ساٹھ میل مشرق کی جانب برہما پتھر کی ابتدائی ندی دریافت کر چکا تھا۔ وہ سنگی کتاب یعنی شیر دریا کے دہانے کی تلاش میں 1907ء میں دوبارہ مانسرور جھیل پہنچا اور وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ دریائے سندھ کا منبع جھیل کے کہیں شمال کی جانب ہے اور برہما پتھر کس تال سے نکلتا ہے۔ اس لیے ہیڈن شمال مغرب کی طرف جانا چاہتا تھا۔ اسے تمیٰ افسر نے بہت اصرار پر اجازت دی۔ بالآخر ہیڈن چند چڑھوں کی مدد سنگی کتاب پہنچا۔ وہ پہلا سفید آدمی تھا جس نے سندھ اور برہما پتھر کے منبع کے مقام تک پہنچ سکا۔ لیکن حقیقت یہ ہے اس دریا کے کئی منہ ہیں اور اس میں سے کس کو دریائے سندھ کا منبع مانا جائے۔ لیکن چونکہ روایات سنگی کتاب کے حق میں اس لیے اسے دریائے سندھ کا منبع تسلیم کیا جاتا ہے۔

اگرچہ سنگی کتاب جھیل مانسرور سے صرف تیس میل دور ہے۔ لیکن تمیٰ احکام کو یقین تھا کہ دریائے سندھ جھیل مانسرور سے نکلتا ہے۔ کیوں کہ ایک براطا قور دریا کا اسی مقدس جھیل سے نکلنا چاہیے۔ اگرچہ یہ چاروں دریاں جھیل سے نہیں نکلتے ہیں مگر اس جھیل سے زیادہ فاصلے پر نہیں نکلتے ہیں۔ اس طرح یہ روایات بہت زیادہ غلط ہی نہیں تھیں اور ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ یہ دریا ایک ہی مقام سے پھوٹ کر مختلف ستوں میں رخ کرتے ہیں۔ وکپیڈیا۔

دریائے سندھ جنوبی ایشیا کا سب سے بڑا دریا جو دنیا کے بڑے دریاؤں میں سے ایک ہے۔ اس کی لمبائی 2000 ہزار میل یا 3200 کلومیٹر ہے۔ اس کا مجموعی نکासی آب کا علاقہ 450,000 مربع میل یا 1,165,000 کلومیٹر ہے۔ جس میں سے یہ پہاڑی علاقہ (قراقرم، ہمالیہ اور ہندوکش) میں 175,000 مربع میل یا 453,000 مربع کلومیٹر بہت ہے اور باقی پاکستان کے میدانوں میں بہتا ہے۔ اس دریا کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ اس کے نام پر سندھ اور ہندوستان کا نام اندیسا پکارا گیا ہے۔ خبر پختون خوا میں اس دریا کو باسین یعنی دریاؤں کا باپ کہتے ہیں۔ اسی دریا کے کنارے آریاؤں نے اپنی مقدس کتاب رُگ وید کا حصہ تھی۔ رُگ وید میں اس دریا کی تعریف میں بہت سارے اشلوک ہیں۔ یہ برصغیر کا واحد دریا ہے جس کی ہندو پوجا کرتے ہیں اور یہ اڑیرولال اور جھوٹے لال بھی کہلاتا ہے۔ اس دریا کے کنارے دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں سے ایک منفرد تہذیب نے جنم لیا تھا۔ قدیم زمانے میں اس دریا کو عبور کرنے بعد ہی وسط ایشیا سے برصغیر میں داخل ہو سکتے تھے۔ اپنی تند خوبی اور خود سری کی وجہ سے بھی اسے شیر دریا بھی کہا جاتا ہے۔

یہ دریا جو کیلاش کے قریب سے نکلتا ہے اور اٹھارہ سو میل کا سفر طے کر کے بیکرہ عرب میں گرتا ہے۔ ہندوؤں اور بدھوؤں کا کوہ کیلاش کوہ میرہ برہما کا نگر ہے اور جن دیوتاؤں اگنی، والیا اور اندر کوہ پوجتے ہیں ان کا اصل مسکن یہی ہے۔ اس علاقے کو جھیلوں کی وادی بھی کہا جاتا ہے۔ کیوں کہ بہاں دو بڑی جھیلیں واقع ہیں۔ جن میں مان سرود کو مقدس اور راکش تال کو منہوس خیال کیا جاتا ہے۔ تیتوں کا کہنا تھا کہ اس جھیل سے دریائے سندھ اور تین اور دریا برہما پتھر، کرناٹی (گنگا کا ایک بڑا معاون دریا) اور ستلچ بھی نکلتے ہیں۔ ہندوؤں اور بدھوؤں کا بھی یہی کہنا تھا اور ان کی مذہبی تصویروں میں اس جھیل میں ان چاروں دریاؤں کو چار جانوروں کے منہ سے نکلتے دکھایا گیا تھا۔ مشرق میں سے برہما پتھر گھوڑے کے منہ سے، کرتالی کو جنوب میں مور کے منہ سے، ستلچ مغربی جانب سے ہاتھی کے منہ سے اور دریائے سندھ شمال میں بہر شیر یا سنگی کتاب سے نکل رہا ہے۔ اس لیے یہ دریا بت میں سنگی کتاب یعنی شیر دریا کہلاتا ہے۔ یورپی جغرافیہ و ان تیتوں کی اس روایت کو سنگ کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ جھیل مانسرور چار بڑے دریاؤں کا منبع ہے۔ ان کا نیال تھا کہ دریائے سندھ کا منبع کیلاش کے پہاڑی علاقے میں ہے۔ چنانچہ جب 1858ء میں



# گلگت بلتستان صوبہ بننے پر کشمیریوں کو اعتراض کیوں؟

تحریر: جلال الدین مغل، مظفر آباد

کشمیری قیادت کا خیال ہے کہ گلگت بلتستان کو صوبہ بنانے سے پاکستان کا کشمیر پر ستر سالہ موقف کمزور ہو گا تاہم گلگت بلتستان کی قیادت کا خیال ہے انہیں تنازعہ کشمیر سے اسی دن علیحدہ کر دیا گیا تھا جب وہاں سٹیٹ سبجیکٹ روں کا خاتمه ہوا۔

مرتبہ بھی تک پاکستان کے زیر انتظام کشمیر کی حکومت اور حریت کا نفرس کا کوئی واضح قیادت کے درمیان مشاورتی ملاقات کی خبریں سامنے آنے اور بعض وفاقی وزراء کی موقف سامنے نہیں آیا۔ البتہ پاکستان کے زیر انتظام کشمیر کے سابق وزیر اعظم اور مسلم جانب سے اس ملاقات کی تصدیق کے بعد جہاں گلگت بلتستان میں اس مجوزہ فیصلے کو کا نفرس کے پریم ہیڈ سردار عتیق احمد خان نے گذشت دونوں ایک عوامی اجتماع سے سراہا جا رہا ہے وہیں پاکستان کے زیر انتظام کشمیر میں بعض حلقوں کو تشویش ہے کہ اس خطاب کے دوران کہا تھا کہ گلگت بلتستان اور آزاد کشمیر کے داخلی مسائل کا حل حکومت فیصلے سے تنازعہ کشمیر پر پاکستان کا ستر سالہ موقف کمزور ہو گا اور تحریک آزادی کشمیر پر پاکستان کی ذمہ داری ہے تاہم اگر ان علاقوں کی آئینی حیثیت کو چھپیا گیا تو عمران خان اور نریندر مودی میں کوئی فرق باقی نہیں رہے گا۔

سردار عتیق کو خدشہ ہے کہ اگر پاکستان نے گلگت بلتستان کو باقاعدہ آئینی صوبہ بنایا تو اس سے مسئلہ کشمیر پر پاکستان کا دیرینہ موقف



مخفی اثرات مرتب ہوں گے۔ میدیا پورٹس کے مطابق عسکری اور سیاسی قیادت کے درمیان ملاقات میں اتفاق ہوا ہے کہ اس فیصلے پر عملدرآمد کو اس سال 15 نومبر کو ہونے والے

گلگت اسمبلی کے انتخابات تک موخر کیا جائے اور اس دوران اس منصوبے کے مختلف پہلوؤں کا بھی جائزہ لیا جائے۔ وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی نجی ٹیلی ویژن کے ایک اردو سے بات کرتے ہوئے سردار عتیق کا کہنا تھا کہ: تاہم گلگت بلتستان کے عوام کو ان کے حقوق دینے کے خلاف ہرگز نہیں بلکہ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ وہاں سٹیٹ سبجیکٹ روں بحال ہو اور گلگت بلتستان کے شہریوں کو تمام بنیادی حقوق میں۔ مگر اس کے لیے گلگت بلتستان کو صوبہ بنانے یا اس کی آئینی حیثیت کے ساتھ چھپیڑ چھاڑ کی ضرورت نہیں۔ اگر کمکرو ہو گا اور اسے ہندوستان پر حاصل اخلاقی برتری ختم ہو جائے گی۔ اندھی پینڈنٹ پہلوؤں کا بھی جائزہ لیا جائے۔

وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی نجی ٹیلی ویژن کے ایک پروگرام میں اس معاملے پر کشمیری سیاسی جماعتوں کے اتحاد کل جماعتی حریت کا نفرس اور مسلم کا نفرس سمیت کشمیری سیاسی قیادت کے تحفظات دور کرنے کے لیے مشاورت کا عنیدی دے چکے ہیں تاہم حریت کا نفرس اور مسلم کا نفرس کے عہدیداروں نے تصدیق کی ہے کہ ابھی تک ان سے کوئی باقاعدہ رابطہ نہیں کیا گیا۔ ماضی میں پاکستان کے زیر انتظام کشمیر کی حکومت اور سیاسی قیادت کے علاوہ بھارت کے زیر انتظام کشمیر کی حریت پسند قیادت بھی گلگت بلتستان کی آئینی حیثیت میں تبدیلی کی مخالف رہی ہے تاہم اس

دول کرنے چاہئیں۔ ان کے بقول، حریت کانفرنس تحریک آزادی کے لیے میدان عمل میں قربانیاں دے رہی ہے اور مسلم کانفرنس عالمی طور پر تسلیم شدہ کشمیریوں کی نمائندہ جماعت ہے۔ سردار عقیق کی نسبت کل جماعتی حریت کانفرنس کی قیادت گوگوں کا شکار ہے اور اس معاملے پر کوئی واضح موقف اپنانے سے گریزیاں ہے۔ کل جماعتی حریت کانفرنس کے عہدیدار پرویز احمد ایڈ وکیٹ نے اسلام آباد میں صحافی دانش ارشاد سے بات کرتے ہوئے کہا کہ حکومت پاکستان نے ابھی تک گلگت بلستان کے حوالے حریت کانفرنس سے کسی سطح پر کوئی بات چیت نہیں کیا ہے میں بھی میڈیا کے ذریعے سے گلگت بلستان کے صوبہ بنانے کے منصوبے کی خبری ہے۔ حریت کانفرنس نے وزیر اعظم پاکستان کو خط لکھ کر صورتحال وضاحت کے لیے ملاقات کا وقت مانگا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ وزیر اعظم پاکستان سے ملاقات کے بعد ہی (اس معاملے پر) کوئی موقف دیا جاسکے گا۔

### گلگت بلستان کے لوگ کیا چاہتے ہیں؟

سردار عقیق احمد خان کے بقول: ہم تو پوری ریاست جموں و کشمیر کو آزاد کرو، اک پاکستان کا حصہ بنانے کے حق میں ہیں اور اسی لیے ستر سال سے قربانیاں دے رہے ہیں تاہم یہ صرف اور صرف اقوام متحده کی قراردادوں کے تحت استضواب رائے کے یقینی کی کیفیت ہے۔ پہلے بھی ایکشن کے قریب ایسی خبریں سامنے آتی رہی ہیں اور ذریعے ہی ممکن ہے۔ اس سے قبل اگر کسی تسلیم شدہ تنازعہ معاشرے کو پاکستان میں ضم کیا جاتا ہے تو اس سے نہ صرف ہندوستان کے جری اقدامات کی تائید ہوگی بلکہ عالمی سطح پر پاکستان کے سفارتی مفادات کو نقصان پہنچ گا۔ تاہم تلقی اخوانزادہ سردار عقیق اور چودھری لطیف اکبر سے اختلاف کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ: گلگت بلستان کے لوگوں کو تو اس وقت ہی تنازعہ کشمیر سے عیینہ کر دیا گیا تھا جب وہاں میٹی سبجیکٹ روں ختم کر کے ہمیں ریاست جموں و کشمیر کے کسی مقام پر جائیداد خریدنے کے حق سے محروم کیا گیا۔

ان کا اعتراض ہے کہ 1947 سے لیکر 1949 کے معاهدہ کراچی ہونے تک کے درمیانی عرصے میں قائم کشمیر کی عبوری حکومت میں بھی گلگت بلستان کو نمائندگی نہیں دی گئی۔ جموں و کشمیر کے مہاجرین کو آزاد کشمیر اسمبلی میں نمائندگی اور ملازمتوں میں کوشہ ملا، مگر گلگت بلستان کو لوگ اس سے محروم رہے۔ اب اگر انہیں ان کے حقوق ملنے کی بات ہو رہی ہے تو کشمیری قیادت کو اس میں رکاوٹ نہیں ڈالنی چاہیے۔ تنازعہ کشمیر کی اپنی ایک اہمیت اور حیثیت ہے اور وہ گلگت بلستان کے صوبہ بننے سے کسی طرح بھی متاثر نہیں ہوگی۔

### تاریخی پس منظر

ماضی میں شمالی علاقے جات کے نام سے جانا جانے والا خطہ گلگت بلستان کا خطہ، 1947 سے قبل ریاست جموں و کشمیر کا حصہ رہا ہے تاہم 1947 میں اس علاقے کے

سکردو ضلع سے تعلق رکھنے والے سماجی و سیاسی کارکن علی شفاء کے بقول گلگت بلستان کو صوبہ بنانے کی اطلاعات کے حوالے سے اس علاقے کے لوگوں میں ابھی تک بے یقینی کی سی کیفیت ہے۔ اس میں خاموش ہیں۔ تاہم تلقی اخوانزادہ سردار عقیق اور ذریعے ہی ممکن ہے کہ گلگت بلستان کے صوبائی ایڈیشنل سیکریٹری محمد تلقی اخوانزادہ علی شفاء کی بات سے متفق نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ماضی میں ایسا ضرور ہوتا رہا ہے تاہم اس مرتبہ فرق یہ ہے کہ عسکری اور سیاسی قیادت اس معاملے پر یکسو ہیں۔ اس مرتبہ ریاستی ادارے اور سیاسی جماعتیں متفق ہیں کہ گلگت بلستان کے لوگوں کو ان کے مطالبات کے مطابق ان کے جائز حقوق ملنے چاہئیں اور ایسا صرف باقاعدہ آئینی صوبہ بنانے کی ممکن ہے۔ تاہم تلقی اخوانزادہ کے بقول ابھی تک واضح نہیں کہ اس کے لیے پاکستان کے آئین میں ترمیم کر کے گلگت بلستان کو باقاعدہ صوبہ بنایا جائے گا یا صدارتی آڑ دینش کے ذریعے عبوری صوبہ بنانے کی اسی اور سینٹ کے علاوہ دیگر قومی سطح کے فورمز میں نمائندگی دی جائے گی۔

### کشمیری قیادت کو اعتراض کیا ہے؟

سردار عقیق احمد خان کا کہنا ہے کہ 1947 تک گلگت بلستان ریاست جموں و کشمیر کا حصہ تھا۔ اس کی تنازعہ حیثیت کو اقوام متحده کی قراردادوں کے علاوہ آئین پاکستان کے تحت بھی تسلیم کیا گیا ہے اور اس کا انتظام 1949 میں حکومت پاکستان اور مسلم کانفرنس کی سربراہی میں آزاد کشمیر کی حکومت کے درمیان ہونے والے معاهدہ کراچی کے تحت

کے حتیٰ حل تک صرف گلگت بلستان کو نہیں بلکہ آزاد کشمیر کو بھی عبوری صوبہ بنادیا جائے۔

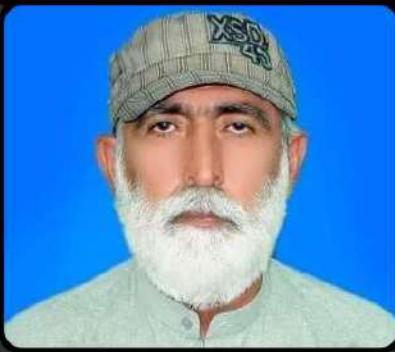
### تحریک انصاف کا متحان

اگرچہ گلگت بلستان میں تحریک انصاف صوبہ بنانے کے مجوزہ فیصلے کو الیکشن مہم میں لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے استعمال کر رہی ہے تاہم پاکستان کے زیر انتظام کشمیر میں جماعت کے عہدیدار اس معاملے پر کوئی بات کرنے کو تاریخیں۔ نام ظاہرنہ کرنے کی شرط پر ایک عہدیدار کا کہنا تھا کہ گلگت بلستان اور پاکستان کے زیر انتظام کشمیر میں لوگوں کی اس معاملے میں رائے یکسر مختلف ہے۔ اگرچہ گلگت بلستان میں مجوزہ فیصلے کا فائدہ پاکستان تحریک انصاف کو ہو سکتا ہے اور وہ آئندہ ماہ الیکشن میں فتح حاصل کر سکتی تاہم پاکستان کے زیر انتظام کشمیر میں اس کے نتائج مختلف ہوں گے۔

عہدیدار کے بقول: پاکستان کے زیر انتظام کشمیر سے پیٹی آئی کی جماعتی تنظیم نے مرکزی تنظیم کو ان کمائنے نتائج سے آگاہ کر دیا ہے اب یہ مرکزی قیادت کا متحان ہے کہ وہ اس مشکل معاملے پر کیا پالیسی اختیار کرتے ہیں۔



## اعلان تقریمی



محترم رحمت اللہ میر بلوچ  
کی تقریمی بطور بیور و چیف  
صوبہ بلوچستان پاکستان  
ماہنامہ لاہور انٹرنشنل  
لنڈن برائے سالِ یکم اکتوبر  
2020ء تا 2020ء عمل میں لائی جا رہی ہے۔ جو کہ ادارہ کے لیے  
صد افتخار ہے۔ تمام سرکاری وغیر سرکاری ادارے نوٹ فرمالیں اور  
ان سے تعاون کی درخواست ہے۔

موصوف ایک سیاسی وغیر سیاسی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیتے  
ہیں۔ سیاسی شخصیات اور سوشنل سوسائٹی کی تنظیمیں ان کے کام سے  
متاثر بھی ہیں۔ اور یہ ایک صحافی بھی ہیں۔ علاوہ ازیں بڑے محنتی،  
سمجھدار، تعلیم یافتہ اور باہمی شخصیت کے مالک ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان  
کی تقریمی تمام احباب کے لیے مبارک کرے۔ آمین۔

محی الدین عباسی چیف ایڈیٹر لاہور انٹرنشنل لنڈن

لوگوں نے مہاراجہ کشمیر کے خلاف بغاوت کرتے ہوئے اسلامی جمہوریہ گلگت کے قیام کا اعلان کیا اور حکومت پاکستان کو الماحق کے لیے خط لکھا۔ تاہم اس الماحق کا کوئی دستاویزی ثبوت موجود نہیں ہے۔ 16 نومبر 1947 کو حکومت پاکستان کا نمائندہ گلگت پہنچا اور انتظام سننجا۔ اگرچہ یہ خط نومبر 1947 سے پاکستان کے زیر انتظام ہے تاہم پاکستان نے آئینی طور پر اسے ہمیشہ ریاست جمو و کشمیر کا حصہ اور تنازعہ علاقہ قرار دیا ہے۔ 1948ء قوم متحدہ کے کمیشن برائے انڈیا پاکستان (یوائی سی آئی پی) نے جنگی بندی معاهده کرایا اور 5 جنوری 1949 کو قوم متحدہ کی سیکورٹی کو نسل نے پاکستان اور بھارت کے مابین سمجھوتے کے لیے منظور کی گئی قرارداد میں بھی گلگت بلستان کو ریاست جمو و کشمیر کا حصہ تسلیم کیا گیا۔

حکومت پاکستان اور پاکستان کے زیر انتظام کشمیر میں قائم مسلم کانفرنس کی حکومت کے مابین 28 اپریل 1949 کو ہونے والے معاهده کراچی کی شق نمبر ایک کی ذیلی شق 7 کے تحت پاکستان نے اس خطے کو ریاست کا حصہ قرار دیتے ہوئے گلگت بلستان کا انتظام عارضی طور پر اپنے کنٹرول میں لیا۔ 2 مارچ 1963 کو پاکستان اور چین کے مابین ہونے والے سرحدی معاهدے میں بھی اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے۔ گلگت بلستان کا کارقبہ لگ بھگ 73 ہزار مربع کلومیٹر اور 2015 کی مردم شماری کے مطابق کل آبادی لگ بھگ 18 لاکھ ہے۔

آئینی اور قانونی پہلوکیاں؟

آنکی ماہر اور پاکستان کے زیر انتظام کشمیر کی سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس، جسٹس (ر) منظور سین میں گیلانی کے بقول گلگت بلستان کو صوبہ بنانا پاکستان کے آئین میں ترمیم کیے بغیر کسی طرح بھی ممکن نہیں۔ گلگت بلستان اور آزاد کشمیر دونوں تنازعہ علاقے میں اور پاکستان کو ان دونوں علاقوں کو یکساں نظر سے دیکھنا چاہیے۔ حکومت پاکستان نے جو حالیہ سیاسی نقشہ جاری کیا ہے اس کی بھی اس وقت تک کوئی حیثیت نہیں جب تک اسے آئین کی سطور میں شامل نہیں کیا جاتا۔ جسٹس گیلانی کی تجویز ہے کہ آئینی ترمیم کے ذریعے دونوں تنازعہ علاقوں میں سینٹ بھیکٹ روں برقرار رکھتے ہوئے انہیں پاکستان کے عبوری صوبے بنانے کا مقامی لوگوں کو ان کے بنیادی حقوق دیے جانے چاہیے اور یہ فیصلہ کسی طرح بھی اقوام متحدة کی قراردادوں سے متصادم نہیں ہوگا۔

ہندوستان نے اپنے زیر قبضہ علاقوں کو ضم کر لیا جبکہ پاکستان کے زیر انتظام علاقوں کو نہ تو داخلی خود مختاری حاصل ہے اور نہ انہیں کی کوئی باقاعدہ آئینی حیثیت ہے۔ مہم آئینی حیثیت کی وجہ سے یہاں کے مقامی وسائل پر مقامی حکومتوں کو اختیار حاصل نہ ہونے کی وجہ سے کئی اعتراضات جنم لیتے ہیں۔ ان کے بقول مناسب حل بھی ہے کہ تنازعہ کشمیر

# کھوٹہ۔ قلب پوٹھوہار

تحریر: حبیب گوہر



انغیار کہتے ہیں کہ کھوٹہ پھریلا، بے ترتیب اور پسمندہ ہے۔ احباب بتاتے ہیں کہ خطرے کی عالمت نمبر ایک ہے۔ اس کے ہر تینے پر گنیں اور دو انصب ہیں۔ اس کی کھوٹہ کھوٹہ ہے۔۔۔ اس کا نکوئی مقابلہ ہے نہ ثانی۔۔۔ یہاں قدرتی حسن کے انگر فضائی حدود سے ہوائی جہاز نہیں گز رکتا۔ کھوٹہ کی برآمدات کے ملک پراشات سب جاری ہیں، ہر طرف چین کی بانسیاں نج رہی ہیں اور خوشحالی کے ٹرک چل رہے ہیں۔۔۔

کھوٹہ کے لوگ مذہبی ہیں۔۔۔ دنیا کا کون سا مسلک ہے جو یہاں نہیں؟ ڈیڑھ چوک، مٹور چوک، سبزداری چوک، پنجاڑ چوک اور پر فیوم چوک۔ یہاں کوئی پنج سڑکی تو اینٹ کی مسجدوں کی لائیں لگی ہوئی ہیں۔۔۔ کھوٹہ میں دو مندر بھی ہیں دونوں گھندر نہیں لیکن پانچ راستے ضرور نکلتے ہیں۔۔۔ پنڈی، کلر، کوٹلی، راولا کوت اور کوٹلی متیاں۔ کھوٹہ کے موسم کی کیا بات ہے یہاں نہ مری کی سردی ہے نہ لاہور کی گرمی۔۔۔ نہ برف باری کی مصیبت ہے نہ لوکی اذیت۔ موسم کی بے اعتباری نے ہی اسے اعتبار سامنے لایتے۔۔۔! شہر تمام مصنوعی سبزہ زاروں سے پاک ہے البتہ اطراف میں قدرتی سبزہ زاروں کی بہتات ہے۔ یہاں کی زبان پوٹھوہاری ہے۔ جیس لوگ اسے پہاڑی کہتے ہیں۔ حالانکہ فارسی کی طرح شیریں ہے۔۔۔ بولنے کو منہ چاہیے۔۔۔ گر گھنڑے اور۔۔۔! کے پیالا نما۔۔۔؟ ماڑی بجھو۔۔۔!

کھوٹہ کا مزانع عسکری ہے۔ ہر دوسرے گھر سے کوئی نہ کوئی فوج میں ہے۔۔۔ یہاں جرنیلوں کی ایک بستی مٹور ہے جو سیاست کا گڑھ ہے۔۔۔ ساتھ کان گڑھ ہے جہاں تاریخی فسادات ہوئے اور واکرے ہند کو کھوٹہ کیختے کا اعزاز ملا۔۔۔ ساتھ نارا ہے جسے نور کا دھارا کہیے۔۔۔ آگے بیوہ ہے۔۔۔ نیچے ڈیم بن رہا ہے اور پار پاندری کی چوٹی بنتا ہے۔۔۔ لیکن ان کی زندگی یہاں گزری۔۔۔ یہیں ان کے نام پر بازار، لاہبریری اور کلب ہے۔۔۔ ظالموں نے انہیں نظر بند کر دیا ورنہ اب تک قادری سٹیڈیم، قادری ہسپتال، قادری یونیورسٹی چل چکی ہوتی۔۔۔ کھوٹہ منفرد اعزازات کا حامل ہے۔۔۔ دشمنوں کے لیے

## قارئین کے لیے خوشخبری

آپکی پسندیدگی اور نیک تمناؤں کی بدولت مہنامہ لاہور انٹر نیشنل اپنی ترقی کی منازل کی طرف رواں دوالا ہے۔ جنوری 2018ء سے ادارہ لاہور انٹر نیشنل نے قارئین کے لیے ایک نئی ویب سائٹ تشکیل دی ہے۔ وجود یہ تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ اسکا URL درج ذیل ہے۔

[www.lahoreinternational.com](http://www.lahoreinternational.com)

قارئین کرام اس ویب سائٹ پر اہم خبریں، مضامین اور دیگر شعبہ جات سے متعلق موثر مضامین اور عالمی خبریں بھی ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔ آپ کی تجویز اور تبصروں کی روشنی میں اس سائٹ کو مزید سے مزید بہتر بنانے کیلئے "ادارہ" پر عزم ہے۔

ویب سائٹ پر اردو اور انگریزی دونوں رسمائے اور مواد موجود ہے۔ تمام دنیا میں یہ رسالہ اب ماشاء اللہ لاکھوں کی تعداد میں قارئین کے زیر مطالعہ ہے۔ جس قلیل مدت میں قارئین نے اس رسالہ کو پسند کیا ہے اس کیلئے ہم تمام قارئین کے تہہ دل سے مشکور ہیں۔ دنیاۓ صحافت میں آپ کی قدردانی سے رسالہ نے جو مقام حاصل کیا ہے وہ قابل تائش ہے۔

اب ہماری کوشش ہے کہ اسکو جلد از جلد "ہفتہ وار" کر دیا جائے اور آپ دوستوں کی دعاؤں کے بغیر یہ ممکن نہیں۔ اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

(ادارہ لاہور انٹر نیشنل)

## Lahore International Magazine

Instagram: @lahoreintl

Twitter: @lahoreintl

Facebook: lahoreinternational

YouTube: lahoreinternational

Google+: lahoreintl

Contact: +447940077825

Whatsapp: +447940077825

Email: [lahoreintlondon@gmail.com](mailto:lahoreintlondon@gmail.com)

یہاں ٹرانسپورٹ کا کوئی مسئلہ نہیں۔۔۔ نارامٹورتا پیر و دھائی را کٹ سروں نے عوام کی سفری مشکلات ختم کر دی ہیں۔۔۔ لوگ باذوق ہیں۔۔۔ گدھا گاڑی تو بہت دور کی بات ہے۔۔۔ یہاں ناٹگے جیسی غیر مہذب سواری تک نہیں پہنچ سکی۔۔۔ سڑکوں کے کھڑلیڈ سے پاک ہیں۔۔۔ کچھ دن پہلے تک یہاں چنگ چی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔۔۔ اب یہ یہ ہی ہے۔ اگر کراچی کو لاکھیت اور جاوسی رائٹر این صفائ پر ناز ہے تو کہو گہ کو پنے سروٹ اور این آدم پر ناز ہے۔۔۔ کراچی کا کوئی اگر یہی شاعر مشہور ہو تو بتائیں ہمارے ہاں انگریزی کے یگانہ دیکھتا شاعر شناذر کی شہرت چہار دنگ عالم میں ہے۔ کل تک گھڑے ستار پر شعر خوانی کی محفوظوں کا زور و شور تھا۔۔۔ آج کل ایک نیا شور اٹھا ہوا ہے اور اٹھتا ہی چلا جا رہا ہے۔۔۔ شاعروں اور مشاعروں کا شور۔۔۔ کہو گہ ادبی سنت کے سرخیں دنیا کے منصوں کے جاوید احمد ہیں ہمنوا حسن ظہیر راجہ اور دیگر ہیں ادھر عبد الرحمن واصف، عابد تیمور ہاشمی اور عبد اللہ ابراہیم کمال قلم کاری کرتے ہیں۔ ہر شہر کی کوئی ناکوئی سوغات مشہور ہوتی ہے۔۔۔ چہار چیز تجھنہ کہو گہ ہیں۔۔۔ مشنی کے پکوڑے، عابد کا چاث، رحمان کی جلبی اور عمری کے سمو سے۔ رحمان کی جلبی کی تو کیا ہی بات ہے۔۔۔ پنڈی کے گرائوں کے لچھے میں جاذبیت ضرور ہو گی لیکن رحمان کی بے ترتیب جلبی میں جوبات ہے وہ بھلا گرائوں میں کہاں؟ انگلینڈ یوں کی فرمائشی ہی پوری نہیں ہوتیں۔۔۔ بعض گوروں نے چکھیں تو اپنی انگلیاں تک چاگئے۔ کہو گہ کسی سے کسی طرح کم نہیں۔ دیگر کو تو چھوڑیے کہاچی ہی کو لیجھے۔۔۔ اگر کراچی کی سٹوڈنٹ بریانی مشہور ہے تو یہاں کی نورانی آلو بریانی کا شہر ہے۔۔۔ کراچی میں ساحل سمندر ہے تو یہاں پر ساحل لنگ ہے۔۔۔ مچھلی کے جال میں ڈڑو آتے ہیں تو بھلے آئیں۔۔۔ کراچی میں تو محیگوں اور سانپ نما مچھلیوں کی لانچیں بھر بھر آتی ہیں۔۔۔ کہو گہ کراچی سے کم کوئی آئندیں نہیں رکھتا۔۔۔ اسی لیے یہاں کراچی سکول۔۔۔ کراچی سویٹس۔۔۔ کے علاوہ کراچی کی شناخت پان کا ایک کھوکھا بھی سر شام لگتا ہے۔

اسلام آباد میں مصنوعی مانو منٹ کا چرچا ہے اور کہو گہ کی شکر پڑیاں ڈولیاں زندہ کرامات کی وجہ سے مشہور ہے۔ ڈولی بمع برات کسی گستاخی پر پتھر ہو گئی۔ اب بھی صاحبان عقیدت آنکھیں ٹھنڈی کرنے اور عبرت پکڑنے جاتے ہیں۔

اتنی صفات اور خصوصیات کے باوجود ہم اسے پوٹھوہار کا دل نہیں کہتے کہاں بھر خوان پر گراں گزرے گا۔۔۔ اس لیے احتیاطاً ہم اسے قلب پوٹھوہار کہہ دیتے ہیں۔ اب یہ قلب پوٹھوہار ایک آدھ تحریر میں تو سماں سے رہا۔۔۔ اس کی دوسری قسط احباب کے تبصروں اور تقدید کی روشنی میں لکھی جائے گی۔





# کوئی سنے گا تو کیا کہے گا؟

شعبہ پاکستان

تحریر: اقراء یا سمین ملک

معاشرے کا سر شرم سے بچنا دیتی ہے۔ عدم برداشت صرف یہ نہیں کہ کسی دوسرے کی بات کو برداشت نہ کیا جائے۔ بلکہ کسی کی ترقی، کسی کے بلندی کی طرف بڑھتے ہوئے قدم، کسی کی خوشی ہضم نہ کرنا بھی عدم برداشت کے زمرے میں آتا ہے جو آگے بڑھ کر حد کی صورت اختیار کر لیتا ہے لیکن اس کی ابتداء عدم برداشت سے ہی ہوتی ہے۔

سفراط جسے میں دنیا کا پہلا صافی کہوں تو بے جانہ ہو گا صرف اس لیے زہر پینے پر مجبور ہوا کیوں کہ حکمران وقت میں اسکی حق بات سننے کی برداشت نہ تھی اور اختلاف رائے کی سزا موت سے کم کچھ نہیں تھی۔ یہاں صرف تین منٹ لگتے ہیں آپ کی ایک چھوٹی سی رائے کے عوض قبل قتل قرار دیئے جانے پر، یہاں چند ہی لمحوں میں کوئی ہجوم مشتعل ہو کر آپ کو موت کی نیند سلاسلتا ہے۔ اگر آپ استاد ہیں اور آپ نے کسی طالب علم کو صحیح کی غرض سے ڈانت دیا ہے تو یہ ممکن ہے آپ پر آپ ہی کے شاگرد کی طرف کر تھک چکیں تو ہانپتے ہوئے کرسی پر جا بیٹھیں اور حقارت آمیز لمحے میں کہا قائمت کر کے پسے قاتلانہ حملہ کر دیا جائے۔ یہ لکھتے ہوئے قلم کا پر رہا ہے مگر میں معاشرے کی بد صورتی پر پرده ہرگز نہیں رکھوں گی۔ یہاں اکثر ہی اتفاق اسلنڈر پھٹنے سے بہوکی موت واقع ہو سکتی ہے، یہاں ساس کے کھانے میں غلطی سے چھپلی گرنے کے روشن امکانات موجود ہیں۔ یہاں بیٹھے کے ہاتھ میں باپ کا گریبان ہونا کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں۔

شرح طلاق میں خطرناک حد تک ہونے والا اضافہ چیخ چیخ کرتا رہا ہے کہ اب نہ تو لڑکیاں شوہر کی معمولی سی بات برداشت کرتی ہیں اور نہ ہی شوہر یوں کوئی چھوٹی سی غلطی پر معاف کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ یہاں عدم برداشت کے حوالے سے ایک نفسیاتی کشمکش کا ذکر کرنا چاہوں گی جس کا شکار بچوں سے لے کر یوڑھوں تک ہر عمر کے افراد ہوتے ہیں۔ پچھلے دنوں گھر پر کچھ مہمان آئے جن کے ہمراہ دو چھوٹے بچے بھی تھے۔ بچوں کی عمریں سات سے نو سال کے درمیان ہوں گی۔ اب ایک بچے کو شرات سوچھی اور اس نے بغیر وجہ کے چھوٹے بھائی کے سر پر ہلاکا سا تھپڑ لگا دیا۔ چھوٹے بھائی نے ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر مرتے ہی ایک زنالے دار تھپڑ بڑے بھائی کے چہرے پر جڑ دیا اب بڑا لڑکا اس غیر متوقع حملے کے لیے ذہنی طور پر تیار نہ تھا لہذا سنجھل نہ پایا اور اوندھے منہ زمین پر آ رہا۔ بڑے لڑکے کو اپنی سخت بکی محسوس ہوئی اور اس نے میز پر پڑا کلدان اٹھا کر پوری قوت سے بھائی کی طرف اچھال دیا وہ تو قسمت اچھی تھی اس کا نشانہ خطا گیا اور نہ دوسرے بچے کو گہری چوٹ بھی اسکتی تھی۔ جب دونوں کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو میں نے چھوٹے بچے سے استفسار کیا کہ اس نے تمہیں شرات میں ہلاکا سا تھپڑ لگایا اور تم نے اتنا سخت عمل دیا اسکی کیا وجہ تھی؟ اس سات سالہ بچے کے جواب نے مجھے خوف میں بتا

چھن کی آواز کے ساتھ چائے کی قیمت پیالی زمین بوس ہوئی اور گیارہ سالہ گھر بیلو ملازمہ کا دل ڈوبنے لگا۔ بنگم صاحبہ کا غصب ناک چڑھا آنکھوں کے سامنے آتے ہی وہ تیزی سے زمین پر جھکی اور پیالی کی کر چیاں ہاتھوں سے سمیٹ کر اٹھا نے لگی۔ شدید تنکیف کا احساس ہونے پر ہاتھوں کی سمت دیکھا تو انگلیوں کی پوریں اہولہ ان تھیں۔

ملازمہ نے زخموں کی پرواکنے بغیر تیزی سے کر چیاں سمیٹیں اور ڈسٹ بن میں پچھینک دیں۔ ملازمہ گہرا سنس لے کر پیٹی تو بنگم صاحبہ کو سر پر کھڑا دیکھ کر اسکی جان نکل گئی۔ بھاری بھر کم ڈیل ڈول کی حامل بے رحم مالک غصب ناک آنکھوں سے اسے گھور رہی تھی۔ تو نے آج پھر پیالی توڑ دی؟ بنگم صاحبہ نے تھر آسود لمحے میں پوچھا اس سے پہلے کہ کم سن ملازمہ اپنے دفاع میں کچھ کہہ پاتی وہ غصب ناک ہو کر آگے بڑھی اور اسکے مقصود چہرے پر تھپڑوں اور گھونسوں کی بارش کر دی۔ کچھ دیر بعد جب بنگم صاحبہ مار مار کر تھک چکیں تو ہانپتے ہوئے کرسی پر جا بیٹھیں اور حقارت آمیز لمحے میں کہا قائمت کر کے پسے تو میں تنخواہ سے کاٹ ہی لوں گی۔

عدم برداشت کا یہ کوئی پہلا یا آخری واقعہ نہیں۔ یہ تو ہر گھر کی، بازار، گلی کوچوں، شہروں، قصبوں، دفتروں اور ریاستوں کی کہانی ہے۔ انفرادی سطح سے لے کر اجتماعی سطح تک، شخصی ذہنیت سے لے کر قومی ذہنیت اور جماعتی سطح سے لے کر جو موں تک یہ رویدہ عام ہے، ہم چھوٹی چھوٹی باتوں پر غصب ناک ہو کر ہر حد سے گزر جاتے ہیں۔ گزشتہ کچھ ماہ سے فرقہ پرستی کی خون آشام بلا ایک بار پھر خون آسودمنہ کے ساتھ ملک بھر میں دندناتی پھر رہی ہے۔ کبھی شیعہ کے کان میں سر گوشی کرتی ہے تو وہ بھر کے سینی کی جان لے لیتا ہے اور کبھی سینی کو ایسی کہانی سنتی ہے کہ وہ شیعہ کی جان کالا گو ہو جاتا ہے۔ گھر گھر دوست کا قرض ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے پرندے بھی سہم گئے ہوں۔ علماء اکرام کا سبقا کا نام قتل ہو یا مذہب کے نام پر رچایا جانے والا خونی کھیل اس کے پس منظر میں صرف اور صرف ایک ہی جذبہ کا فرماں ہی نظر آتا ہے اور وہ ہے عدم برداشت۔ اس معاشرے میں اختلاف رائے قابل قتل جرم بن چکا ہے۔ ناقدین سازشی قرار دیئے جاتے ہیں اور معاشرے سے اوپر کی سوچ رکھنا سوائے گناہ کیسہ کے اور کچھ نہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے ایکسویں صدی جہالت میں زمانہ جاہلیت کو بھی پیچھے چھوڑ رہی ہے دور جاہلیت میں پانی پر شروع ہونے والا بھگڑا نسلوں تک چلتا تھا تو آج ایک مرلہ زمین کی خاطر پورے پورے خاندان قتل کر دیئے جاتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں بیٹیوں کی پیدائش پر انہیں زندہ درگور کر دیا جاتا تھا تو آج بیٹی کی ماں پر وحشیانہ تشدیدی وظیو وائز ہو کے

کر دیا اس نے غصے سے مٹھیاں بھینچتے ہوئے قدرے اونچی آواز میں جواب دیا۔

جو بھی مجھے مارے گا میں اسے مار دوں گا بالکل مار دوں گا

اس جملے کا یہ حصہ "بالکل مار دوں گا" اگر اسے نفیات کے تیبل پر رکھوں تو یہ عدم برداشت کی سب سے بھی انک صورت ہے جب آپ کسی کامراج بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ آپ نے مشاہدہ کیا ہوگا کہ اکثر آپ بطور مزاح کسی سے کچھ کہتے ہیں اور سامنے والا آپ کے مزاح کو برداشت ناکرتے ہوئے بھر جاتا ہے۔ کچھ روز پہلے ایک وڈیو دیکھ کر دمگ رہ گئی جب ایک آدمی گھر کے گیٹ پر جا کے ہارن بجا تا ہے لیکن دو منٹ کے گزرنے کے بعد بھی گیٹ نہیں کھلتا۔ وہ ہارن پر ہارن دینے لگتا ہے لیکن انکے کچھ وقت تک بھی گیٹ نہیں کھلتا جس پر غصے میں گاڑی گیٹ میں مار دیتا ہے اور اس کی معصوم بیٹی گاڑی کی ضد میں آجائی ہے جو آنکھیں ملتی دروازے کی سمت بڑھ رہی تھی۔ عدم برداشت وہ زہر قاتل ہے جو سلوپ پر زن کی طرح دھیرے دھیرے نہیں بلکہ گندم کی گولیوں میں شامل زہر کی طرح ایک دم بھر کر گوں میں آگ لگادیتا ہے۔ اور ہم اس آگ کو پیتے ہوئے طائف کا وہ واقعہ بھول جاتے ہیں جب نبی اکرم ﷺ پر اہل طائف کی طرف سے اس قدر پتھر بر سارے گئے کہ آپ کے جو تے لہو سے تربڑ ہو گئے مگر آپ نے کمال ضبط سے کام لیتے ہوئے بدلتہ تو دور کی بات اپنے لب تک بدعا سے آلوہ نہ کیے اور اہل طائف کے حق میں دعا فرمائی۔ نبی ﷺ کے نام پر جان دینے والوں کی عدم برداشت کا یہ عالم۔۔۔؟ کوئی سنے گا تو کیا کہے گا؟



## رومانیہ: مکان کے نیچے سے 25

### لاکھ ڈالر کی چوری شدہ کتابیں برآمد



پویس کا کہنا ہے کہ اسے لندن میں ایک گودام سے چوری کی گئی تقریباً 5.2 میلین (5.2 میلین) ماہیت کی 200 نایاب کتابیں ملی ہیں۔ ان کتابوں کو لندن کے ایک

گودام سے چراک رومنیہ کے دیہی علاقے کے ایک گھر میں فرش کے نیچے فن کیا گیا تھا۔ ان کتابوں میں گلیلیو اور آنرک نیوٹن کی کتب کے پہلے ایڈیشن بھی شامل ہیں۔

جنوری 2017 میں ان کتابوں کو چوری کر لیا گیا تھا اور چوروں نے سینسز کو چھلانے کے لیے فیلم ٹھم کے ایک گودام کی چھت میں سوراخ کر کے کتابوں کو اندر دھکیل دیا تھا۔ ان افراد کی شاخت رومنیہ سے تعلق رکھنے والے منظم جرام پیشہ گروہ کی حیثیت سے کی گئی تھی۔ لندن کی میٹرو پلیٹن پولیس نے ایک بیان میں کہا ہے کہ یہ گروہ برطانیہ کے گوداموں میں ہونے والی بڑی بڑی چوریوں کی سیریز کا ذمہ دار ہے۔ بدھ کے روز افسران نے شمال مشرقی رومنیہ کے علاقے نیما میں واقع ایک گھر کی تلاشی کے دوران یہ کتابیں فرش کی کھدائی کے بعد برآمد کیں۔ تفتیش کاروں کا کہنا ہے کہ جون 2019 میں برطانیہ، رومنیہ اور اٹلی کے 45 چتوں پر چھاپے مارے گئے ہیں۔ تیرہ افراد پر فرد جرم عائد کی جا چکی ہے اور ان میں سے 12 افراد نے پہلے ہی جرم کا اعتراف کر لیا ہے۔

ان کتابوں میں دانتے کے نایاب ورژن اور ہسپانوی مصور فرانسکو ڈی گویا کے خاکوں کے علاوہ گلیلیو اور آنرک نیوٹن کی 16 ویں اور 17 ویں صدی کی کتب بھی ہیں۔ میٹرو پلیٹن پولیس میں ساوتمہ کمائن کے کرام سپیشلیسٹ ڈپٹی اسپکٹر اینڈی ڈھرم کا کہنا ہے یہ کتابیں انتہائی اہمیت کی حامل ہیں لیکن اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ وہ نایاب ہیں اور یہ بین الاقوامی ثقافتی ورثے کے لیے بہت اہم ہیں۔

یہ کتابیں امریکہ کے شہر لاس ویگاس میں نیلام ہونے کے لیے لے جانے سے قبل ایک گودام میں محفوظ تھیں، وہیں سے انھیں چوری کیا گیا۔

خبر رسائی ادارے اے ایف پی کے مطابق، چوروں نے ہیکٹرو ہوائی اڈے کے قریب، فیلم ٹھم میں گودام کی چھت کاٹ کر ان کتابوں کو 12 میٹر (40 فٹ) تک زمین میں دھکیل دیا۔ اس کے بعد کتابیں نکال کر لے جانے سے قبل وہ اسی راستے پر گھنٹوں تک بیگ گھماتے رہے۔ تفتیش کاروں کا کہنا ہے کہ رومنین گروہ مخصوص جرام کے لیے اپنے ممبران کو برطانیہ لے کر آتا ہے۔ اور کچھ ہی دیر بعد انھیں ملک سے باہر لے جاتا ہے، مختلف ممبران متبادل نقل و حمل کے طریقوں سے چوری شدہ چیزوں کو ملک سے باہر لے جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس گروہ کا تعلق رومنیہ کے متعدد جرام سے مسلک خاندانوں سے ہے جو گلیپارہ کرام گروپ کا حصہ ہیں۔



# دردگی دھوپ میں خوشی ایک عارضی سایہ ہے

مترجم۔۔۔ بلاں احمد شیم

نے بھارت اور آسٹریلیا کے بیچ کے دوران جو آخری اور پہیکا تھا تا قبل فرما مو شہر۔ ان واقعات نے کرکٹ کے مداحوں کو وہ خوبیاں فراہم کیں جو کئی ہزار روپے دے کر بھی خریدی نہیں جاسکتیں۔ بعض لوگ اچھی موسیقی سن کر لذت محسوس کرتے ہیں۔ محمد رفیع اور کشور کمار کے پرانے فلمی نغموں کو سن کر راحت اور فرحت محسوس کرتے ہیں۔ انہاں جب غمگین یا اداس ہو تو اس کے لئے تھائی میں بیٹھ کر موسیقی سے دل بہلانا ایک اچھا شغل ہے۔ ہزاروں ایسے نفعے ہیں جو انسان کو وہ خوشی فراہم کر سکتے ہیں جو کروڑوں روپے سے بھی نہیں خریدی جاسکتی۔ جس کے پاس پہلے ہی پانچ گاڑیاں ہو وہ مزید ایک گاڑی آسانی سے خرید سکتا ہے۔ ایسا

## Journey from Guwahati to Machhiwara

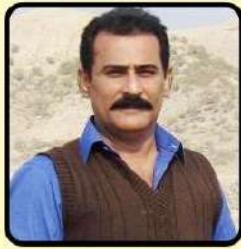


a few short stories

کرنے سے اس کی خوشی میں کوئی اضافہ نہیں ہو گا۔ لیکن وہ شخص جس کے پاس ایک سائیکل ہوا وہ اسکو ڈریڈ لے تو اس کا دل بیلوں اچھلنے لگے گا۔ بعض لوگ صرف اسی بات پر خوش ہو جاتے ہیں کہ ان کا مضمون یا فوٹو کسی اخبار یا رسالے میں شائع ہوا ہے۔ روزانہ اخبار میں اپنا بھجوایا ہوا مضمون تلاش کرنا کہ شائع ہوا ہے یا نہیں بھی ایک دلچسپ عمل ہے۔

خوشی اصل میں دردگی دھوپ میں ایک عارضی سایہ کے مانند ہے۔ اس لیے ہمیں خوشی کے موقع تلاش کرنے چاہئیں، چاہے وہ کتنے ہی چھوٹے کیوں نہ ہوں۔ ضرورت مندوں کی امداد کرنا، مسافر یا اجنبی کو سہارا دینا، کسی میریض کے لئے خون کا عطیہ دینا یہ وہ نیک اعمال ہیں جن سے آپ کو داگی خوشی حاصل ہو سکتی ہے اور جس کی آپ نے مدد کی ہے وہ تا عمر آپ کو یاد رکھے گا اور دعا نہیں دے گا۔ اس کے بعد اس اگر آپ ایک امیر آدمی کو شادی کے تھنہ میں دس ہزار روپے بھی دے دیں تو وہ اگلے دن ہی بھول جائے گا۔ یاد رکھیں کہ دولت سے خوشی حاصل نہیں کی جاسکتی۔ بلوٹ اور بے غرض عمل سے ہی زندگی میں خوشی کا سورج روشن کیا جاسکتا ہے۔

کہ اس طالب علم کو بکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ ہمیں وہ زمانہ یاد آتا ہے یعنی اپنا دوڑھ طالب علمی جب ٹیچر کی طرف سے کاپی میں Good/Very Good یا Star ملتا تھا اور ہم گھر واپس آتے ہی خوشی خوشی والدین کو اپنی کامیابی کا جیتنا جاگتا ثبوت دکھاتے تھے۔ ٹیچر کی طرف سے شبابی حاصل کر کے ہم ساتویں آسمان میں پرواز کرنے لگ جاتے تھے۔ درحقیقت ٹیچر زہارے اندر خود اعتمادی، جوش اور جذبہ بھرنے کے لئے ایسا کرتے تھے اور آج بھی کرتے ہیں۔ جب بچے خوشی اپنے والدین کو اسکوں کی کاپی دکھاتے ہیں تو وہ بھی اپنے بچوں پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ ہر کسی کے لئے خوشی کا مفہوم اور معیار مختلف ہوتا ہے۔ بعض لوگ کرکٹ کا بیچ دیکھنے میں لذت و فرحت محسوس کرتے ہیں اور اگر یہ بیچ ہندوستان اور پاکستان کے مابین ہو تو بات ہی الگ ہو جاتی ہے۔ بھارت اور برطانیہ کے ایک بیچ کے دوران یوراج سنگھ کے زبردست چکوں والا واقعہ کون بھلا سکتا ہے۔ یہ تو ذہنوں میں نقش ہو چکا ہے اور جس گینبد بازو کو چکے گے وہ کوئی معمولی گینبد بازنیں تھا۔ اسی طرح ہر یانہ کے ایک عام کھلاڑی جو گندر شرما جنہوں



تحریر: آصف رضا موریو

## ہماری قومی دریا سیتی بے حسی کے سبب

# انڈس ڈلفن کی معصوم ہوتی ہوئی نسل



جانے والی دوسری مخلوقات کی طرح سندھ کی یہ نایباں "بلہن" جسے انڈس ڈلفن بھی کہا جاتا ہے کی معصوم ہوتی ہوئی نسل بھی دنیا کی باشوروں کو "SOS" سگنل

دے رہی ہے۔

ڈلفن کی دیگر تمام نسلوں کی طرح سندھی بلہن کی وجہ شہرت دوستانہ ہے لیکن در حقیقت یہ ایک خونخوار آبی جانور ہیں جس کے ساتھ احتیاط اور احترام برداشت کیا جانا چاہئے کیونکہ چھپڑ خانی یا شرارت بازی سے ڈلفن اپنا رویہ تبدیل کرتی ہے جیسا کہ عموماً کہا جاتا ہے کہ آبی حیات خطرناک ہو سکتی ہے۔ اکثر اوقات سائنس دان اور ذمیندار ان دیکھنے، کھانا کھلانے اور تیرا کی کے پروگراموں میں اضافے کے سبب ڈلفن کے زخمی ہونے یا انسانوں کو بلاک کرنے کے اندیشے میں بتلا رہتے ہیں۔

خیال کیا جاتا ہے کہ دریائے سندھ میں ڈلفن کا متحرک آغاز قدیم ٹیکھس سمندر میں سے ہوا تھا۔ ہزاروں سال پہلے یہ سمندر سوکھنے کے سبب بیہاں کی باسی ڈالفر مجبور ہوئیں کہ وہ اپنے رہائش گاہ دریاوں کو بنالیں اور تب سے وہ دنیا بھر کے نہری نظام کا حصہ بنی ہوئی جنک رہی ہیں۔ پاکستان میں آج وہ دریائے سندھ کے نچلے حصوں اور پنجاب، بھارت میں دریائے بیاس میں پائی جاتی ہیں۔ پاکستان میں آپاشی کے نظام کی تعمیر کے بعد ان کی تعداد میں تیزی سے کمی واقع ہوئی۔ انڈس ڈلفن دریائے سندھ کے 750 میل کے فاصلے تک محدود ہیں اور چھ بیارا جوں کے ذریعے الگ تھلک آبادی میں منقسم رہتے ہوئے انہوں نے دریا کے گدے پانی میں زندگی کو ڈھال لیا ہے جہاں جھینگے، کلیٹھن اور کارپ اس کی پسندیدہ غذائیں

دریائے سندھ اپنے سینے پر ہونے والی دہشت گردیوں اور قبضہ گیریوں وجہ سے کئی دہائیوں سے سکرات کے عالم سے گزر رہا ہے۔ اس کا پیٹ سال کے کئی مہینے بھوک و بیاس کی وجہ سے سوکھا رہتا ہے اور تب اس کی زرخیز چھاتی پر پانی بھرتی ہوئی موجوں کی جگہ حد نگاہ ریت کا سمندر کروٹیں بدلتے ہوئے ملتا ہے اور جگہ جگہ خشکی کے بادل امدادتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس کے براہوں، شاخوں اور کینا لوں کے لمبے لمبے بازو سمٹ کر کناروں سے لگ جاتے ہیں۔

انڈس فلاہی زون کے لئے سر ملکوں سے آنے والے خوشما پرندوں کی لاکھوں اقسام اپنی پسندیدہ جگہ پر ریت اڑتی دیکھ کر بیہاں سے کہیں اور چلے جاتے ہیں۔ اپنوں کی لتعلقی اور بیگانگی کے سبب دنیا کی تہذیبوں میں ماں کا درجہ رکھنے والا یہ شیر دریا اپنی بقا کی آخری جنگ بھی ہارتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ اب جہاں بذاتِ خود اس ان داتا کی جھوٹی سوکھ رہی ہے تو اس قیامت خیز صورتحال میں اس کے پانیوں سے سیراب ہونے والے میدانوں، زمینوں، باغات، جھیلوں یا اس میں پلنے والی آبی و زمینی مخلوقات کا کیا حشر ہو رہا ہو گایا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔

پاکستان میں دریائے سندھ انڈس ڈلفن کی واحد رہائش گاہ ہے۔ اب جبکہ اس دریا کا وجود بذاتِ خود خطرے میں ہے تو اس کے پانیوں میں پلتی ہوئی حیاتیات، بنا تیات اور سر زمین سندھ پر آباد لاکھوں انسان، چندو پرندوں اور ماحول بھی اپنی بقا کی جنگ لڑتے ہوئے مانے جاتے ہیں۔ یوں دریائے سندھ میں پائی



جاتے ہیں۔

انڈس ڈلفن کی ختم ہوتی ہوئی نسل کا اس وقت تک خاص ترین سبب دریائے سندھ پر

انگریزوں کے بنائے ہوئے یہ اجوں کو قرار دیا جا رہا ہے جو اس دور میں سندھ کے میدانی علاقوں کو قابل زراعت بنانے کے لئے بنائے گئے تھے۔ آپاشی کے اس نظام سے سندھ کے میدان تو آباد ہو گئے مگر انڈس ڈلفن کی افزائش نسل کافی متاثر ہوتی اور اس کے شکار کئے جانے کا خطرہ بھی بڑھ گیا جس کے سبب اس کی کم ہوتی ہوئی تعداد کے ساتھ اس کی افزائش بھی وقت کے ساتھ آہستہ ہوتی رہی۔ اکثر اوقات یہ خبریں یا رپورٹیں سامنے آتی رہتے ہیں کہ دریائے سندھ سے نکلنے والی مختلف نہروں جیسا کہ کھیر تھر کیناں، دادو کیناں، ریس کیناں وغیرہ میں سے ہر سال انڈس ڈلفن کی ساٹھ ستر کے قریب تعداد بہہ کر آگے نگ آبی راستوں میں پھنس کر رہ جاتی ہے جن میں سے بیشتر موت کے منہ میں چلی جاتی ہیں تو کچھ کو بازیاب کر کے پھر سے گھرے پانی میں ڈالا جاتا ہے۔

انڈس ڈلفن کی ست بڑھوٹری کی رفتار کا اندازہ ڈبلیوڈبلیوائیف کی اس رپورٹ اور انڈس ڈلفن پر ہونے والی دیگر بیشمار اداروں کی رپورٹوں سے لگایا جاسکتا ہے کہ

انڈس ڈلفن کی تعداد قریباً 150 تھی جو دس سال بعد 1984ء میں بڑھ کر 1974ء میں اس کی تعداد پانچ سو، 2001ء میں یہ تعداد پانچ سو، 2006ء میں 370 ہو گئی، 1994ء میں یہ تعداد پانچ سو، 2010ء میں آنے والے سیالبوں کے دوران ہونے والی اس ڈلفن کی بلکتوں کے سبب گھٹ کر اب صرف ایک ہزار کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ 2011ء میں 82 انڈس ڈلفن ہلاک ہوئیں اور شکار الگ ہوئیں۔

انڈس ڈلفن کی کم ہوتی ہوئی نسل کے اسباب دریائے سندھ میں آبی قلت، پانی کی آلودگی کے ساتھ، مختلف ادوار میں آنے والے سیالب، ضرورت سے زیادہ شکار کے لاکینس اور کیڑے مار زرعی ادویات کا استعمال بھی مانے جاتے ہیں جس سے پانی زہریلا ہو جاتا ہے۔ اس خوبصورت آبی مخلوق کی گھٹتی ہوئی نسل کو بچانے اور اس پر تحقیق کے لئے سندھ و ایلہا لائف مینجنمنٹ بورڈ نے بین الاقوامی ادارے UCN اور تحفظی حیوانات کرنے والے ایک خانگی ادارے و لکر فاؤنڈیشن کے تعاون سے ایک پروگرام بنایا تھا جس پر کچھ عرصہ کام بھی ہوا مگر 1980ء میں جب غیر ملکی کمپنیوں نے اپنا ہاتھ کھینچ کر امداد دینا بند کر دی تو خیرات پر چلنے کے عادی ہمارے سرکاری اداروں نے اس پروگرام کے بچے کچھ معاملات اپنی بری عادتوں کی نظر کر کے فنڈ زکو بھی خرد بردار کر دیا تھا۔

اس کے بعد آج تک اس معصوم جانور کی خیر خبریں لی گئی البتہ بیہاں پر موجود شیر شکار

سےب یہ اندر ہیرے اور روشنی یادوں اور رات میں فرق محسوس نہیں کر سکتی ہے جس کے سبب سندھی زبان میں اسے "انڈھی بلہن" کہا جاتا ہے۔ جیسا تی طور پر یہ ڈلفن نایبنا نہیں تھی مگر وقت کے ساتھ دریائے سندھ کے ہونے والے کھارے، آلودہ اور میلے پانی کے سبب اس کی آنکھوں کی بینائی نور سے محروم ہوتی چلی گئی۔ مجموعی طور پر بھورانگ رکھنے والے انڈس ڈلفن کا درمیانی جسم کا لاسا بھورانما ہوتا ہے اور یہ دنیا بھر میں پائی جانے والی تمام ڈلفن کی چار نایاب نسلوں میں سے ایک ہے جو دریائے سندھ کے ساتھ انڈیا، نیپال، بنگلادیش کے پانیوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ ڈلفن کی دوسری قسم چائنا کی یا گمری ڈلفن، تیسری اور چوتھی قسم امیزوں دریاؤں کی شہزادی بولٹو ڈلفن ہے۔ ان چاروں نایاب نسلوں میں سے انڈس ڈلفن کے وجود کو ریاستی لاپرواہی اور سندھی لوگوں کی اپنے اثاثوں سے متعلق لاوارثی کے سبب سب سے زیادہ خطرات لاحق ہیں۔

انڈس ڈلفن کی دریائے سندھ میں موجود مقدار جا چکنے کیلئے 1974ء میں جی پلیری نامی ایک محقق جب ابھیاس کرنے آیا تھا تو اس نے یہاں صرف ڈیڑھ سو کے قریب ڈلفن کی قابل مقدار نوٹ کی اور اس کی جوڑی گئی رپورٹ پر IUCN نے انڈس ڈلفن کا نام دنیا سے معدوم ہوتی ہوئی آبی جاتوں سے متعلق "ریڈ ڈیٹا بک" میں ڈال کر اسے بچانے کا عنديہ بھی دیا تھا جس کا نوٹ لیتے ہوئے جنگلی کھاتہ حکومت سندھ نے دریائے سندھ پر گلدودیراج سے سکھر بیراج کے درمیانی علاقے کو انڈس ڈلفن کے لئے مخصوص "زرسری" قرار دے دیا تھا۔

بعد ازاں جنگلی حیات کے تحفظ کے بین الاقوامی ادارے ورلڈ وائیلڈ لائیف فنڈ (WWF) نے اپریل 2001ء میں اپنے دونماں ندے مسٹر ابرٹ اور جل بروک (جو پیشے کے لحاظ سے زرعی ماہر اور ہائیڈرولوجسٹ تھے) کو انڈس ڈلفن پر تحقیق کرنے بھیجا تھا جنہوں نے اپنی رپورٹوں میں اس آبی جانور کی معدومیت سے متعلق بیشمار خدشات ظاہر کئے تھے جنہیں (ان کے مطابق) اگر مناسب طور پر حل نہ کیا گیا تو اس ڈلفن کی نسل کچھ دہائیوں میں مکمل طور پر دشائی آبی ذخیروں سے گم ہو جائے گی۔ کافی عرصہ پہلے امریکہ کی جانب سے UNDP پروگرام کے تحت لاہور کے چڑیا گھر کی معرفت پچاس ہزار ڈالر کی امداد ملنے کے بعد بھی اس آبی جانور کو بچانے کے لئے ریاستی، قومی اور ادارتی پس منظر میں کوئی خاص اور عملی کام دیکھنے میں نہیں آیا۔

## مقابلہ ڈاکو مینٹریز

لاہور انٹرنیشنل کے یو ٹیوب چینل کے لیے مختصر دورانیئے کی ڈاکو مینٹریز نہیں اور انعام پائیں۔ زیادہ سے زیادہ ویڈیو یوز بھجوائیں اتنے زیادہ جیتنے کے موقع پائیں۔ ان ڈاکو مینٹریز کا موضوع معاشرتی، معاشری، ..... ہو۔ ان ڈاکو مینٹریز کو یو ٹیوب چینل پر اپلوڈ کیا جائے گا۔ تکنیکی معاملات کے ساتھ ساتھ نتائج کا فیصلہ..... اس کو دیکھے جانے اور ناظرین کی پسندنا پسند دیکھ کر کیا جائے گا۔

ہر ماہ ڈاکو مینٹریز کو انعامات دیئے جائیں گے اور زیادہ سے زیادہ ڈاکو مینٹریز بھجوانے والے کو بھی انعامات دیئے جائیں گے۔

کرنے والے گروہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اس کی تاک میں لگے رہتے ہیں کیونکہ انڈس ڈالفن کی چربی سے نکلنے والا تیل انہائی کار آمد ہونے کی وجہ سے کافی مہنگا کہتا ہے جس کے حصول کی غاطر شکاری اس خوبصورت جاتی کو بے دردی اور بے رنجی کے ساتھ سے مارتے رہتے ہیں۔

پانی کی کمی کے دونوں میں ہر سال دریائے سندھ کے مختلف علاقوں سے انڈس ڈالفن مردہ وزندہ حالت میں ہاتھ آتی رہتی ہیں۔ اعداد و شمار کے مطابق موجودہ سال بھی پچیس مردہ اور اٹھارہ زندہ ڈالفن ہاتھ آتی ہیں جن میں سے زندہ دس ڈالفن مختلف طاقتور سیاسی و سماجی افراد نے ہتھیا ہیں جبکہ بقا یا کو مقامی لوگوں اور حکومتی اہلکاروں نے تحولی میں لے کر گھرے پانی میں چھوڑ دیا۔ اس طرح گزشتہ بیس برس کے دوران چار پانچ سو ڈالفن مردی یا ماری جا چکی ہیں۔ خشکی کے موسم میں جب زمین اپنا پانی چوس لیتی ہے تو یہ ڈالفن بچے کچھ تالابوں یا دیگر آبی ذخیروں میں نظر آتی رہتی ہیں جن پر علاقے کے جاہل اور بے رحم لوگ بندوقوں، رانقوں اور لاثیوں سے مشقیں کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ بد قسمتی سے کہیں بھی بچنسی ہوئی ڈالفزر کو بچا کر انہیں ندی میں واپس چھوڑنے، اس کے بچاؤ سے متعلق ماہی گیری کے پانیدار طریقے متعارف کروانے، زرعی دواوں سے پانی کی آلوگی کو کم کرنے، اس پر تحقیق کرنے یا اس کی اہمیت متعلق آگاہی دینے والے اداروں کی پاکستان میں بہت کمی ہے۔

باشور ممالک میں جہاں انسانی حقوق کے ساتھ جان و مال کا بھی تحفظ دیا گیا ہے وہاں ان لوگوں نے چرندو پرند کے تحفظات کو بھی قانونی کتابوں سے نکال کر اپنے سماجی، اقتصادی اور ذاتی معاملات، یاداشتوں اور روپیوں میں محفوظ کر رکھا ہے۔ یہی سبب ہے کہ وہاں ختم ہوتی ہوئی جانوروں اور پرندوں کی بیشتر نسلوں کو بچانے کے لئے بھی اجتماعی اور انفرادی طور پر عملی کام کیا جا رہا ہے۔ یمن الاقوامی اداروں نے بن مانس، کنگرو، سفید ریپکھ، کالے ہرن، پانڈہ اور بھالو وغیرہ کے ساتھ ڈالفن کی مختلف نسلوں کو بچانے کے لئے ایک عرصے سے کوششیں جاری رکھی ہوئی ہیں جو پوری تندی کی سے مقصود کیلئے دنیا بھر میں اپنی تربیت یا فتنہ میں بھیجی ہوئی ہیں جو پوری تندی کے ساتھ اپنے فرائض کی انجام دہی میں سرگرم عمل ہیں۔ ان ہی اداروں کی کوششوں کے سبب انڈس ڈالفن کو بچانے کے لئے اب سینکڑوں کے طور پر "ولڈ ہیرٹھ ایریا" بھی بنایا گیا ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ صدیوں کے ساتھ دریائے سندھ کے دشائیں آبی ذخیروں پر راج کرنے والی اس جل پری انڈس ڈالفن کے حسین و جیلیں پکیر کو بچایا جا سکتا ہے کہ نہیں۔



**Rutlish Auto Care Centre Ltd**

Class 4 & 7

# MOT

Free Retest Within 10 Days

**ALL MAKES & MODELS**

- ACCIDENT REPAIRS
- ELECTRICAL
- TYRES
- WELDING
- SERVICING
- CLUTCHES
- BRAKES
- EXHAUSTS

FULL SERVICE FROM £59.99  
+ PARTS + VAT

- State of the art computer diagnostics
- Trade Contract welcome
- Possible collection & delivery within 2 miles radius




Tel: 020 8542 3269    020 8417 0088

# انسان اور انسانیت



چھوڑنے کے جنون میں واضح فرق ہے۔ اس جنون میں انسان اچھا برا کوئی بھی حرہ استعمال کرتا ہے۔ کیا کاغذ کی ڈگری لے کر انسان کے اندر انسانیت پیدا ہوتی ہے۔ کیا ان سے آپ دوسروں کے لئے ایک مفید انسان، بن سکتے ہیں "نہیں ہرگز نہیں" اگر آپ کے اندر درد محسوس کرنے کی حس نہیں، اگر آپ دوسرے کی آنکھ سے نکلنے والے اشکوں کی تپش کا احساس نہیں رکھتے۔ اگر کسی کے زخموں سے اٹھنے والی نیسمیں آپ کو بے چین نہیں کرتیں، تو آپ کی یہ ڈگریاں کس کام کی ۰۰ وہ جذبہ جو دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ وہی اصل ڈگری ہے۔ شاہد ہمارے اندر خود نمائی کا جذبہ شدت پکڑ رہا ہے۔ ہم مدد خدا کی خاطر کم اور دکھاوا زیادہ کرتے ہیں۔ کیا ہم ایسا کر رہے ہیں؟ یہ سوال ہر ایک کو خود سے کرنا چاہیے، خدا کی خاطر لوگوں سے محبت اور حسن سلوک کرتے وقت فقط ان کی ظاہری حیثیت اور مرتبے کا خیال نہیں رکھنا چاہیے۔ کیونکہ خدا جھولیاں بھرتے وقت ریشم۔ کھواب اور پیوند لگے لباس میں تفریق نہیں کرتا، یہ انسان کا اخلاق ہی ہے جو اس کے قدر حیثیت کا پتہ دیتا ہے۔

بلند عمارتیں اور اوپری دیواریں کسی انسان کے بلند معیار اور اعلیٰ کردار کی ضامن نہیں

ہوتیں۔ بلکہ اعلیٰ اخلاق، عمدہ سوچ اور زم دل ایک قدماً و رخصیت کی پیچان ہے سورج تو نظام قدرت کے تحت ہر ایک کو اپنی روشنی سے منور کرتا ہے۔ چاہے محل ہو یا جھوپڑی، پھر زمین والے اپنا نظام، اصول، پابندیاں سب کے لئے ایک سا کیوں نہیں رکھتے۔ تفریق کیوں کرتے ہیں؟ کیا صاحب حیثیت افراد ہر نظام سے بالاتر ہیں۔؟ اگر ایسا ہے تو پھر انھیں سورج کی ضرورت نہیں اپنے اندر کی تاریکیوں کو دور کرنے کی ضرورت ہے۔ اندر روشنی نہ ہو تو باہر کے وقت اجائے بے معنی ہیں۔ جب میں "ہم" کہتی ہوں تو اس سے مراد پورا معاشرہ ہے ناکہ چند افراد یا کوئی ایک فرقہ۔ کیونکہ کمزور اور مضبوط ایمان والے انسان ہر جگہ ہیں اور انہی انسانوں سے معاشرہ بتتا ہے۔ اگر انسان اپنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر نظر کھلتے تو بڑی بڑی برا بیوں سے بچ سکتا ہے۔ اور یقیناً سمجھدار انسان کو سنبھلنے کے لئے ایک ہی ٹھوکر کافی ہوتی ہے۔ کیا خوب کہا ہے شاعر نے

احساس مردہ جائے تو انسان کے لیے

کافی ہے ایک راہ کی ٹھوکر لگی ہوئی

میں جس مضمون پر قلم اٹھانے جا رہی ہوں وہ اتنا ہی اہم ہے جتنے دینی مظاہیں، زندگی کا ہر موضوع اپنی جگہ اہم ہے، معاشرہ انسانوں سے مل کر بتتا ہے اور انسان مشرق میں بھی رہتے ہیں اور مغرب میں بھی، بھلے مشرق اور مغرب کے رہنمیں میں کچھ فرق ہے۔ مگر موجودہ دور میں بہت سے رواجوں میں مشرق اور مغرب ایک دوسرے میں مغم ہو چکے ہیں۔ نئی نسل اور سائنسی ترقیات اور معاشرتی پیاسا کیوں نے معاشرے کے اکثر گھر انوں میں عجیب سی بے چینی پیدا کر رکھی ہے۔ کون اس بات سے انکار کر سکتا ہے کہ ہم اپنی نسل کو دینی را ہوں پہ چلانا نہیں چاہتے، کون ہے جو اپنی نسل کو معاشرے کی بے راہروی سے بچانا نہیں چاہتا، کون ہے جو اپنے بچے میں انسانیت بیدار نہیں کرنا چاہتا، بس اسی لئے میں آج انسان اور انسانیت کی بات کروں گی۔ معاشرہ انسانوں سے مل کر بتتا ہے۔ اور معاشرے میں ہر طبقے کے افراد اپنی ذمہ داریاں نبھاتے ہوئے زندگی کی شاہراہوں پر تجربات کی مشین سے گزرتے ہوئے اپنے مقاصد کو پانے کے لئے کوشش ہیں۔ انسان کی بات ہو اور اخلاقیات کا ذکر نہ آئے ایسا ممکن نہیں۔

اخلاقیات ایک وسیع مضمون ہے۔ جس کا ایک دروازہ کھولو تو کئی دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں۔ اور ہر ایک کھلنے والے دروازے کے اندر ایسا آئینہ رکھا ہوا ہے۔ جسے دیکھنے کی تاب کم ہی نگاہیں رکھتی ہیں۔ اور باہر کو بھاگتی ہیں۔ مگر اس آئینے کو دیکھ کر ہی اپنے اور اپنے پیچھے رکھوں کا صحیح اور اسکیں گے، اخلاقیات کے ذکر میں مذہب کا نام آنا لازم ہے۔ مذہب ہمارے اخلاق کو سنوارنے کے بہترین گر بتاتا ہے۔ یہ میں کس طرح بننا ہے، جس مخالف سے کیسے بات کرنی چاہیے، حجاب، حقوق و فرائض غرض کے اچھائی اور بُرائی کی تمیز بتا کر ہمیں سیدھے راستے پہ چلنے کا حکم دیتا ہے۔ راستے میں پڑے کیلے کے چھلکے بھی ہٹانے پر نیکی کی نوید دیتا ہے۔

ان سب علوم کے باوجود کیا وجہ ہے کہ انسان کے اندر انسانیت ختم ہوتی جا رہی ہے؟ انسان تو بہت پیدا ہو رہے ہیں، مگر انسانیت نہیں۔ کیوں؟

مذہب سے دوری، بے حسی، لاچ، کری کی خواہش، یادوسروں کو پیچھے چھوڑنے کا جنون؟ آگے بڑھنا بہت اچھی بات ہے۔ مگر میرے خیال میں آگے بڑھنے کی تمنا اور پیچھے



چاغی میں سردار حاکم علی خان سنجرانی کی بطور چیف آف چاغی دستار بندی کر دی گئی۔ مرحوم سردار تاج محمد خان سنجرانی کے انتقال کے بعد ان کے میئے کوان کا جانشین نامزد کر دیا گیا/ نامہ زگار بلوچستان رحمت اللہ میر بلوچ ماہنامہ انٹرنیشنل۔

تفصیلات کے مطابق چاغی میں چیف آف چاغی سردار حاکم علی خان سنجرانی کا قبائلی رسم و رواج کے مطابق سنجرانی قبائل کے ذیلی شاخوں کے سربراہ اور چاغی و گرد و نواح میں آباد 72 قبائل کے قبائلی عمامہ دین نے دستار بندی کر کے انھیں باقاعدہ طور پر چیف آف چاغی منتخب کر لیا۔ اس موقع پر تقریب سے خطاب کرتے ہوئے، ہونمن منتخب چیف آف چاغی سردار حاکم علی خان سنجرانی نے کہا کہ دستار محض چند گز کپڑے یا سرم کا نام نہیں بلکہ ہمارے صدیوں پر محیط قبائلی معاشرے میں اس کی بہت بڑی اہمیت اور ذمہ داری ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ دستار میں ہمارے تمام قبائلی رسم و رواج پر وئے ہوئے ہیں، اور یہ ہمارے قبائلی رسم و روایات صدیوں پر محیط ہے جو نسل در نسل چلتا رہے گا۔ انہوں نے کہا کہ اکیسویں صدی قوموں کی شعور کا صدمی ہے اور بلوچ قبائل کے رسم و رواج دنیا کی نایاب رسم و رواج ہے، اس کو برقرار رکھنے کے لیے سنجرانی قبائل سیاست تمام قبائل کو در ارادا کرنا ہوگا، اور اس صدمی میں قبائلی تنازع عما کوئی گنجائش نہیں، اور نہ ہی بلوچ قوم کسی تنازع عما متحمل ہو سکتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ آج ہمارے قبائل اور دوسرے اقوام نے ہمارے کاندھوں پر جو ذمہ داریاں ڈال دی ہے، ہم اپنے بزرگوں کی نقش قدم پر چل کر اپنے آباؤ اجداد کی قبائلی رسم و رواج کی ہر صورت پاسداری ممکن بنانے کیلئے اپنے تمام تر صاحبوں کو بروئے کار لانے کی کوشش کریں گے۔ رسم دستار بندی کے تقریب سے میر اعجاز خان سنجرانی، سردار نجیب سنجرانی، سردار آصف ذگر مینگل، سابق سینیٹر ڈاکٹر اسماعیل بلیدی، سابق صوبائی وزیر میر عبدالکریم نوшیروانی، مولانا نجیب اللہ محمد حسنی، سردار نادر خان بادی، سردار اکبر جان محمد حسنی نے بھی خطاب کیا۔



قلات میں بلڈ بینک کے قیام کیلئے قلات نوجوان اتحاد کی جانب سے اہم قدم، میڈیکل آفسرڈی ایچ کیو قلات نے بلڈ بینک کیلئے قلات نوجوان اتحاد کو کمرہ الٹ کر کے کمرے کی چابی اسکے حوالے کر دیا۔ قلات نوجوان اتحاد کی جانب سے گز شش برس سے قلات میں تھیلیسیما کے مریض سمیت ایکسٹینٹ و دیگر حادثات و واقعات یا خواتین کو بروقت خون کی ضرورت کو منظر رکھ کر بلڈ بینک کے قیام کیلئے کوششیں جاری رکھی تھیں۔ نوجوانوں کی کوشش رنگ لائی اپنے کوشش میں نوجوان کامیابی سے ہمکنار ہوئے، جبکہ صوبائی سیکرٹری ہیئتہ بلوچستان دوستین جمال الدین، کے دورہ قلات کے موقع پر بھی، نوجوان اتحاد کی جانب سے انہیں بلڈ بینک کیلئے ڈی ایچ کیو میں کمرہ الٹ کی درخواست کی گئی تھی۔ جس پر سیکرٹری نے ایم ایس کو ہدایت کی کہ انہیں کمرہ الٹ کرے۔ گز شش روز ایم میں ڈی ایچ کیوڈا کٹر علی اکبر نیچاری نے قلات نوجوان اتحاد کے چیئرمین اسد اللہ نیچاری، ڈاکٹر مقدم بلوچ کو بلڈ بینک کے لئے کمرے کی چابی فراہم کر کے کمرہ الٹ کیا۔ عبدالقدیر نیچاری، کو بطور انجمن اخراج ذمہ داری دیدی گئی۔ اس موقع پر قلات نوجوان اتحاد کے میرزا والفقار جنک، وقار بلوچ، عبدالقدیر نیچاری، شیخ راشد نعیم سمیت دیگر موجود تھے۔ اس موقع پر قلات نوجوان اتحاد کے چیئرمین اسد اللہ نیچاری، وقار بلوچ، میرزا والفقار جنک و دیگر نے ایم ایس کے اقدام پر انکا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا، یہ انسانیت کی خدمت ہے۔ بلڈ بینک کے قیام سے کئی ضرورت مند مستفید ہوں گے۔ خون دینا صدقہ جاریہ ہے۔ جبکہ کئی، قیمتی جانیں بروقت خون ملنے پر فیک سکتے ہیں۔ اس میں ہم سب کو اپنا حصہ ڈالنا چاہیے انہوں نے کہا، کہ حکومت، مخیر حضرات اب بلڈ بینک کی فعالی کیلئے کردار ادا کریں۔ جبکہ خون عطا کرنے والے حضرات ڈی ایچ کیو قلات، یا کراچی لیبارٹری ہسپتال روڈ پر رابطہ کر کے اپنا نام جسٹر ڈاکروا نئیں۔



تحمیلہ، ڈبیر، گلفام سمیت دیگر مچھلیوں کی افزائش کے لیے ان سے بیچ حاصل کیے جاتے ہیں، جو یہاں کے مقامی زمینداروں کو سستے داموں فروخت کرنے جاتے ہیں، اس وقت نصیر آباد ڈویژن میں ہزاروں ایکٹار اراضی پر مچھلیوں کے تالاب بنائے گئے ہیں، جبکہ کہ پٹ فیڈر کینال اور کیر تھر کینال سمیت دیگر ڈیلی شاخوں سے بھی سالانہ لاکھوں من مچھلیاں حاصل کی جاتی ہیں۔ جس کا سرکاری سطح پر ٹینڈرز ہوتے ہیں۔ گزشتہ سال بھی 33 لاکھ روپے سے زائد کاربیونیو حاصل کر کے صوبائی خزانے میں جمع کروادیا گیا۔ کمشنز نصیر آباد ڈویژن عابد علیم قریشی نے کہا، کہ زمینداروں اور کاشتکاروں کو چاہیے، کہ وہ زیادہ سے زیادہ ماہی گیری کی جانب راغب ہوں۔ تاکہ کم اخراجات پر لاکھوں روپے کا منافع حاصل کیا جاسکے، انہوں نے کہا کہ کاشتکار اپنی غیر آباد زمینوں میں مچھلیوں کے تالاب لگا کیں۔ جس میں محلہ ماہی گیری ان سے مکمل تعاون کرنے کے لیے ہمہ وقت کوشش ہے۔ اس کاروبار میں تھوڑے سے پیسے انویسٹ کر کے لاکھوں روپے کمائے جاسکتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ماہی گیری کے شعبے سے وابستہ افراد کے لیے پروسینگ پلانٹ کے انعقاد کے لیے، جلد صوبائی حکومت سے رابطہ کریں گے، اور ماہی گیری کی صنعت میں درپیش مشکلات کے ازالے کے لیے بھی ہنگامی بندیاں پر اقدامات کرنے جا رہے ہیں۔ تاکہ اس صنعت کو مزید فروغ دیا جاسکے، حکومت کے یہ اقدام بے روزگاری کے خاتمے میں سودمند ثابت ہو رہا ہے۔ اور وہ بے روزگاری سے نکل کر باوقار طریقے سے کاروبار کر رہے ہیں۔



کمشنز نصیر آباد ڈویژن عابد علیم قریشی نے کہا ہے کہ نصیر آباد ڈویژن بلوچستان کا واحد گرین بیلٹ ہے۔ جہاں پر زراعت گلہ بانی کے ساتھ ساتھ ماہی گیری کے کاروبار سے کروڑوں روپے کا اکٹک کیا جاسکتا ہے۔ سیم و تھورو والی زمینیں جو ناقابل کاشت ہیں۔ ان میں مچھلیوں کے تالاب بنانے کے لیے بھی اسراحت حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس شعبے کو مزید تقویت دینے کے لیے صوبائی حکومت سنبھیگی سے کام کر رہی ہے۔ تاکہ لوگوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لئے انہیں باوقار طریقے سے روزگار فراہم کیا جاسکے، ڈیرہ مراد جمالی میں بلوچستان کی پہلی بنائی جانے والی بچری سٹریٹری میں سالانہ لاکھوں کی تعداد میں مختلف اجتناس کی مچھلیوں کے بیچ پروڈیوں کیے جاتے ہیں۔ زمینداروں اور کاشتکاروں کو دیگر فصلات کی ساتھ ساتھ مچھلیوں کی افزائش کیلئے بھی آگے آنا ہو گا۔

تاکہ صوبے بھر کی عوام کے لیے مچھلیوں کی فراہمی کو ممکن بنایا جاسکے۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے ڈیرہ مراد جمالی میں بچری سٹریٹری کے دورے کے موقع پر بات چیت کرتے ہوئے کیا، اس موقع پر ڈپٹی کمشنز نصیر آباد حافظ محمد قاسم کا کڑ، تحصیلدار بہادر خان حکومت، اسٹنٹ ڈائریکٹر تاج محمد بھٹی اور مصدق خان موجود تھے۔ ڈپٹی ڈائریکٹر فشریز نصیر آباد لکھمی چند نے کمشنز نصیر آباد کو بریفنگ دیتے ہوئے بتایا، کہ نصیر آباد ڈویژن کی زمین ماہی گیری کے لیے موزوں ہے۔ تین ہزار ایکٹر پر پرانیویں مچھلیوں کے تالاب ہیں۔ جبکہ 33 ماؤں فارم بھی قائم ہیں۔ ان تالابوں، نہروں سے سالانہ دو ہزار میٹر کی مچھلیاں حاصل کی جاتی ہیں۔ جوانروں بلوچستان سمیت شکار پورا اور سکھر سندھ کی منڈیوں میں لائی جاتی ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ بلوچستان میں سب سے پہلے نصیر آباد میں ماہی گیری کے صنعت کو فروغ دینے کے لیے حکومت کی جانب سے بچری سٹریٹری کی قیام عمل میں لایا گیا، یہاں پر مختلف اقسام کی مچھلیوں جس میں رو، مورا کھی،

## اشتہارات کے لیے

رسالہ ماہنامہ لاہور انٹر نیشنل کو پاکستان اور دنیا بھر سے لاکھوں قارئین میں مطالعہ کرتے ہیں یہ پرنٹ کے علاوہ آن لائن ویب سائٹ پر بھی موجود ہے۔ آپ دنیا کے کسی بھی ملک میں ہوں اپنے اشتہارات شائع کروا کر مقامی طور پر اپنی کمپنی کی تشهیر، مشہوریت کر سکتے ہیں معلومات کیلئے آپ ہمارے نمائندگان اور ادارہ سے براہ راست رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں لاہور انٹر نیشنل کی چینل کا بھی آغاز ہو چکا ہے۔ تمام معلومات اس رسالے میں موجود ہیں شکریہ۔

<http://www.youtube.com/channel/UCwM31ueU85MOWeH0UBFhMYw>

# طب کا نوبل انعام دو امریکی، ایک برطانوی سائنسدان کے نام

والئس آف امریکہ



امریکی محققین ہاروی آلتھر، چارلس رائس اور برطانوی محقق نائیکل ہوٹن نے طب کا نوبل انعام برائے 2020 جیت لیا ہے۔ نوبل جیوری کے مطابق انہیں یہ اعزاز پیرکوپیٹا نائٹس سی وائزس کی دریافت پر دیا گیا ہے۔ خبر رسائی ادارے اے ایف پی کے مطابق نوبل انعام کے حق دار کا تعین کرنے والی جیوری نے کہا ہے کہ ان تین سائنسدانوں کو خون کے ذریعے منتقل ہونے والے وائزس پیپٹا نائٹس سے جنگ میں فیصلہ کن کردار ادا کرنے پر انعام

دیا گیا ہے۔ جیوری کے بقول یہ مرض صحت کا ایک بہت بڑا عالمی مسئلہ تھا جو دنیا بھر میں شعبوں میں دیا گیا تھا۔ نوبل انعام طب، طبیعت، کیمیئری، ادب، امن، اور معاشیات کے شعبوں میں اعلیٰ کارکردگی دکھانے والوں کو دیا جاتا ہے۔ گزشتہ سال طب کا نوبل عالمی ادارہ صحت کے اندازے کے مطابق دنیا بھر میں ہر سال سات کروڑ کے لگ انعام آسیجن اور غلیوں کے تعلق پر تحقیق کرنے والے دو امریکی اور ایک برطانوی ڈاکٹر بھگ پیپٹا نائٹس سی کے مریض سامنے آتے ہیں اور سالانہ تقریباً چار لاکھ اموات اس بیماری سے ہوتی ہیں۔ نوبل کمیٹی نے ان محققین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان تقریب بھی غیر راویتی انداز میں ہوگی۔ یہ تقریب ٹیلی و ڈن پرنٹر کی جائے گی جس میں فاتحین کو ایوارڈ ان کے گھر پر دیا جائے گا۔ پیرکوٹب کے نوبل انعام سے اس سلسلے کا آغاز ہوا ہے جس کے بعد منگل کو طبیعت کے نوبل کا اعلان کیا جائے گا۔ بارہ اکتوبر کو اقتصادیات کے نوبل کے ساتھ انعامات کے اس سلسلے کا اختتام ہو جائے گا۔



## ضروری ادارتی نوٹ

نوٹ فرمائیں ادارتی نوٹ مضمون کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے۔ مصنف کی رائے، خیال، اپنا ہوتا ہے ضروری نہیں مصنف سے ادارہ متفق ہو اسی لیے بعض مضامین پر ادارتی نوٹ دیا جاتا ہے اور ایڈٹ بھی کیا جاتا ہے علاوہ ازیز یہ بھی نوٹ فرمائیں آن لائن ویب سائٹ اور رسائل میں شائع شدہ مواد کا پی رائٹ ہیں۔ بلا اجازت آرٹیکل شائع کرنا کا پی رائٹس قوانین کی خلاف ورزی اور جرم ہے کچھ احباب ایسا کر رہے ہیں انکو متنبہ کیا جدرا ہے۔

پہلی بار اس مرض سے شفایا ب ہونا ممکن ہے جس کے بعد یہ امید بھی بڑھ رہی ہے کہ دنیا کی آبادی سے پیپٹا نائٹس سی وائزس کا خاتمہ ممکن ہو سکے گا۔ ان تینوں محققین کے کام سے پہلے پیپٹا نائٹس اے اور بی سے متعلق کافی اہم پیش رفت ہو چکی تھی۔ لیکن خون کے ذریعے منتقل ہونے والے اکثر پیپٹا نائٹس کیسز کو نہیں سمجھا جاسکا تھا۔ ان کی تحقیق کے بعد پیپٹا نائٹس سی کو سمجھنا ممکن ہوا۔

تینوں سائنسدانوں کو مشترک طور پر نوبل کی انعامی رقم ملے گی جو تقریباً 11 لاکھ ڈالر یا نو لاکھ 50 ہزار یورو کے مساوی ہے۔ واضح رہے کہ روایت کے مطابق ہر سال دیے جانے والے نوبل پر پارائز جیتنے والوں کے ناموں کا اعلان سب سے پہلے طب کے شعبے کے فاتحین سے کیا جاتا ہے۔ معروف سائنسدان اور ڈائینامیکس کے موجود الفریڈ نوبل سے منسوب نوبل پر پارائز سب سے پہلے 1901ء میں سائنس، ادب اور امن کے



# جب بابا کھیم سنگھ نے ایک رات میں سڑک بنوادی

تحریر: سجاد اظہر

اسلام آباد کے ایک نواحی علاقے کے باسی، جن کے کمالات کے انگریز بھی معترف تھے۔

منزلہ حولی کی شان و شوکت کا گواہ ہے۔ بابا جی اسی حولی کے مکین تھے اور اپنے پروگرام کے عالمی کارکن راجانور ہیں۔ نے آپ کو سنایا، اس کے راوی گلر سیداں کے معروف سیاسی کارکن راجانور ہیں۔ راجانور مزید بتاتے ہیں کہ کھیم سنگھ بیدی کا تعلق بابا گروناٹک کے خاندان سے تھا۔ انہوں نے دو شادیاں کر کر تھیں، ان کی ایک بیوی کشمیر کے مہاراجہ کی بیٹی تھی جس سے ان کے چار بیٹے ہوئے، دو مری بیوی سے دو بیٹے ہوئے جو ساہیوال میں آباد ہوئے۔ کنور ہندر سنگھ بیدی اور راجندر سنگھ بیدی ساہیوال میں ہی آباد تھے۔ اس وقت مانچستر سے جو کپڑا اس علاقے میں لا یا جاتا تھا اس کے تھانوں پر بابا کھیم سنگھ اور اس کے چاروں بیٹوں کی تصاویر کا ٹھپپ لگتا تھا جسے ان کے لاکھوں عقیدت مند خریدتے تھے۔

بابا جی کے پوتے کنور ہندر بیدی سنگھ محراجی آپ بیٹی یادوں کا جشن، مطبوعہ بک کارنر جہلم کے صفحہ نمبر 67 پر لکھتے ہیں کہ بابا جی کے والد بابا صاحب سنگھ جی ہی وہ ہستی تھے جنہوں نے تمام سکھ معااملات میں معابدہ امن کرتے ہوئے پگڑی رنجیت سنگھ کو دی تھی۔ ان کے بعد ان کے بیٹے بابا کھیم سنگھ بیدی بھی ایک مذہبی شخصیت کے طور پر ابھرے، جن کا احترام ہندو اور مسلمان بھی کرتے تھے۔ قبائلی علاقوں میں بابا جی کے کافی مرید تھے جن کے باہمی جھگڑے بھی بابا کھیم سنگھ ہی نمائی کرتے تھے۔ بابا جی ہر وقت تبلیغی دوروں پر رہتے اور ایک جم غضیران کے پیچھے پیچھے چلتا تھا۔ ایک بار نو شہر میں انگریز فوج کے کمانڈر رنجیف نے سلامی لینا تھی بابا جی بھی شہر میں تھا اس لیے انہیں بھی پر یہ میں مدعو کر لیا گیا مگر ہندوستانی فوجوں نے بابا جی کی موجودگی میں کمانڈر رنجیف کو سلامی دینے سے معذرت کر لی۔ قریب تھا کہ انگریز کمانڈر اسے بغاؤت سمجھتے ہوئے فوجیوں کی گرفتاری کا حکم دے دیتا مگر اس موقع پر بابا جی نے آگے بڑھ کر معا靡ے کو سمجھایا۔

اسی کتاب میں آگے چل کر لکھا ہے کہ جب بابا جی کا انتقال 10 اپریل 1905 کے ہوا تو راوی سے لے کر قندھار اور کابل تک صفاتی بچھائی اور آپ کی روح کی مکتبی کے لیے سوالا کھنڈ پانچھر کھوائے گئے۔ رو سائے پنجاب، از سر لپیل ایچ گریفن و کرنل میں مطبوعہ 1940 کے صفحہ 368 پر لکھتے ہیں کہ بابا کھیم سنگھ کے والد ایک خاندانی جھگڑے میں مارے گئے۔ بعد ازاں 1857 کی جنگ آزادی میں انگریز کو مدد دینے اور گوگیرہ میں بغاؤت کچلے میں مدد پر فراہم کرنے پر بابا جی انگریز سرکار کے قریبی حلقة



1890 میں انگریزوں اور افغانستان کے درمیان جنگ زوروں پر تھی۔ پنجاب کے انگریز گورنر کو پتہ چلا کہ راوی پنڈی سے کچھ دور گلر سیداں میں ایک سکھ بابا جی رہتے ہیں جن کے ہزاروں معتقد ہیں۔ انگریزوں کو اس وقت ہر طرح کی مدد کی ضرورت تھی، اس لیے گورنر نے بابا جی کی حمایت حاصل کرنے کے لیے ان سے ملنے کا پروگرام بنایا، مگر ایک مسئلہ تھا۔ گلر سیداں تک کوئی سڑک نہیں جاتی تھی، ایک ٹیڑھی میڑھی سی گلڈنڈی تھی، اور بس۔ اب اس پر گورنر صاحب کیسے سفر کریں؟

یہ بات راوی پنڈی کی انگریز انتظامیہ کے لیے درود بن گئی۔ کسی نے کہا کہ اگر بابا جی اپنے معتقدین کو حکم دیں تو یہ سڑک ایک رات میں بن جائے گی، چنانچہ بابا کی جانب سے تمام دیہات میں منادی کرائی گئی کہ کل بابا کے ہمراہ گورنر پنجاب آرہے ہیں، لوگ اپنے اپنے علاقے کی سڑک بنادیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں لوگ کدامیں لے کر جت گئے اور ایک ہی رات میں سڑک بن گئی جو کسی انہوں سے کم نہ تھی۔ رات کے کھانے کے دوران گورنر نے بابا جی سے پوچھا، بابا جی اگر روس براستہ افغانستان انگریزوں پر حملہ کر دے تو آپ سرکار کی کیا مدد کریں گے؟

بابا جی نے جواب دیا، پہلے دن ایک لاکھ روپیہ نقد اور دس ہزار مسالخ نوجوان اور ایک مینے بعد اس سے گلنا۔ گورنر نے شکریہ ادا کیا اور ساتھ ہی بدایت کی کہ اتنے با اثر آدمی پر نظر کھی جائے کہیں یہ بغاؤت ہی نہ کر دے۔ اسلام آباد سے تقریباً 60 کلومیٹر کے فاصلے پر گلر سیداں میں بیدی محل ہے جس کو تعمیر ہوئے 184 سال گزر چکے ہیں۔ ایک عہد اس چار

سکول کھولا گیا تھا جہاں جزل لٹا خان جیسے عساکر بھی پڑھتے رہے۔ حویلی کے دو حصے ہیں ایک حصہ سماجی و سیاسی سرگرمیوں کے لیے جبکہ دوسرا ہائش کے لیے مختص تھا۔ محل کے ساتھ ایک 40 فٹ اونچا پول بھی نصب ہے جس پر پیٹل کا کرپان نصب ہے۔ اس حویلی کے شاندار جھروکے، تراشیدہ ہوئے خوبصورت دروازے، مقش دیواریں جن پر سکھوں، ہندوؤں کی مقدس شخصیات کی پینٹنگز بنائی گئی ہیں، آج بھی دعوت نظارہ دیتی نظر آتی ہیں۔ یہ اس بات کی گواہ بھی ہیں کہ بابا جی ایک میں المذاہب ہم آہنگی اور رواداری کا پرچار کرنے والے تھے۔ حویلی اور منع بننے والے سکول کے درمیان ایک چھوڑہ ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ مسلمان صوفی ہوتے شاہ کی قبر ہے جس کی رکھوائی بیدی خاندان کرتا آیا ہے۔

میں شمار کیے جانے لگے۔ انہیں 1877 میں مجسٹریٹ اور 1893 میں وائسرائے کی لیجسیلیٹوں کے لیے نامزد کیا گیا تھا۔

آگے چل کر مزید لکھا ہے کہ بابا جی سکھوں میں ایک گروکی حیثیت سے مقبول ہو گئے اور پشاور سے ملتان تک ان کا طوٹی بولتا تھا۔ وہ تعلیم نسوان کے ایک بڑے حامی بن کر ابھرے اور اپنی جیب سے کئی سکول کھولے۔ انہوں نے ملنگری میں نہری نظام کے بعد اس کی آبادکاری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ 1886 میں راولپنڈی کے 37 سکھوں کو یہاں 13500 ایکڑ قبیلاٹ کیا گیا جن کو فی کس 95 یکڑ ملے مگر بابا گھیم سنگھ کے حصے میں 17800 ایکڑ آئے۔ انگریزوں کا خیال تھا کہ مذہبی رہنماؤں کو زمینیں الٹ کرنے سے نہ صرف انہیں سیاسی اثر و سوخ حاصل ہو گا بلکہ 1857 کی جنگ آزادی میں مدد کرنے والے افراد کا حوصلہ بھی بلند ہو گا بعد ازاں کچھ رہائیوں کے مطابق بابا جی کی ملنگری میں زمین 28272 ایکڑ تھی۔ 1898 میں انہیں کسی آئی ای کا خطاب ملا۔

جب پنجاب حکومت نے ایک استاد ایک سکول، سیکم شروع کی تو بابا جی نے راولپنڈی سمیت پنجاب میں 50 سے زائد سکول کھولے۔ 1893 میں جب بابا جی کی بیٹی کی شادی ہوئی تو انہوں نے تین لاکھ روپیہ خیراتی اداروں میں تقسیم کیا جس میں سے آدھی رقم راولپنڈی میں ایک دوکشل سکول بنانے میں صرف کی گئی جس میں فون گرافی، کارپٹری، ٹیلرنگ وغیرہ کے کورسز کروائے جاتے تھے۔ تقسیم ہند کے وقت بدترین فسادات کلریڈاں سے محض دس کلو میٹر کے فاصلے پر چوخاراصلہ میں ہوئے جہاں سات مارچ 1947 کو چھر روز تک جاری رہنے والی لوٹ مار میں 200 سکو قتل کر دیے گئے اور 93 سکھ عورتوں نے اپنی جان بچانے کے لیے ایک کنویں میں کوکر خود کشی کر لی۔

اس سانحے پر لارڈ ماونٹ بیٹن نے بھی چوخاراصلہ کا دورہ کیا تھا۔ بابا گھیم سنگھ بیدی کے خاندان کے اثر و سوخ کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ کلریڈاں میں کوئی فساد نہیں ہوا اور اردو گرد کے تمام ہندو سکھ بابا گھیم سنگھ حویلی میں اکٹھے ہوئے جہاں سے انہیں ہندوستان روانہ کیا گیا۔ کلریڈاں میں بابا گھیم سنگھ کی حویلی کو بیدی محل، بھی کہا جاتا ہے۔ 17 کنال پر محیط اس محل کی تعمیر 1836 میں ہوئی جس کی تعمیر میں انہکے ماہر کار میگروں نے حصہ لیا تھا جنہیں بابا جی کے والد کے ایک دوست مسلمان جا گیر دار نواب آف کوٹ فتح خان سردار فتح خان نے بھیجا تھا۔ ایک تہہ خانے کے علاوہ چار منزلوں پر پھیلی اس وسیع و عریض حویلی میں کم و بیش 40 کمرے ہیں۔ حویلی کی تعمیر نو 1930 میں کی گئی تھی، جبکہ حویلی سے باہر گھوڑوں کا ایک اصطبل بھی ہے۔ حویلی میں داخلے کے بعد ایک شاندار جھروکہ آج بھی اپنی عظمت رفتہ کی کہانی بیان کرتا نظر آتا ہے۔ یہ جھروکہ ایک ہال میں کھلتا ہے جہاں کبھی بیدی خاندان کے دربار لگا کرتے تھے مگر آج وہاں ویرانی بال کھولے ہوئے ہے۔ قیام پاکستان کے بعد اس حویلی میں ہائی

## بلیک ہول پر تحقیق، طبیعت کا نوبل انعام

### خاتون سمیت 3 سائنسدانوں کے نام



استاک ہوم (جنگ نیوز) دنیا کا سب سے معتبر ایوارڈ دینے والی سویڈن کی سویڈش اکیڈمی آف نوبل پرائز نے "فزکس" (طبیعت) کا 2020 کا ایوارڈ بلیک ہول پر تحقیق کرنے والے امریکا، برطانیہ اور جرمنی کے تین سائنسدانوں کے نام کر دیا۔ نوبل پرائز کمیٹی کی جانب سے جاری بیان کے مطابق رواں سال کا طبیعت کا نصف نوبل پرائز برطانوی ریاضی دان راجر پینریز کو دیا جا رہا ہے جب کہ ایوارڈ کا نصف حصہ امریکی خاتون سائنسدان اینڈریا گیز اور جرمن سائنسدان رینہارڈ گیزرل کو دیا جا رہا ہے۔ کمیٹی کے مطابق فزکس کے نوبل انعام کا نصف حصہ برطانوی سائنسدان راجر پینریز کو ان کی بلیک ہول سے متعلق ابتدائی و جامع تحقیق کرنے کی خدمات پر دیا جا رہا ہے جب کہ خاتون سائنسدان اینڈریا گیز اور رینہارڈ گیزرل کو ہمارے کہشاں کے مرکز میں بہت بڑی مستند چیز کی کھون گانے پر فزکس کا نصف نوبل انعام دیا جا رہا ہے۔

# جنگ، امن اور چرچل

تحریر: محمد عرفان ندیم



تہذیب و ثقافت کا دلدارہ تھا، بلکہ اس کا ایک عربی دوست تھا، چرچل اس کی پارٹیوں میں جاتا تو عربی جبکہ اور لباس زیب تن کرتا، اسلامی تہذیب کی طرف اس کا رجحان اس قدر شدید تھا کہ اس کے گھروالوں کو اس کے مسلمان ہونے کا ذریحتا، چرچل نے ایک بار خط میں لکھا کہ وہ پاشا بننا چاہتا ہے جس پر اس کی بجا بھی نے اسے ایک خط تحریر کیا جس میں لکھا ”مہربانی کر کے آپ اسلام قبول نہ کریں، میں نے یہ نوٹ کیا ہے کہ آپ

نوشٹن چرچل کے بارے میں مشہور ہے کہ ایک بار قوم سے خطاب کے لیے اسے ریڈ یوائیشن جانا تھا، وہ سڑک پر آیا اور ایک ٹکسی والے کو اشارہ کیا کہ اسے برٹش براؤ کا سٹنگ ہاؤس جانا ہے، ٹکسی ڈرائیور نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ چرچل کی تقریر سننے جا رہا ہے، چرچل یہ سن کو جھوم اٹھا اور جیب سے ایک پاؤ نڈ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا، ٹکسی



ڈرائیور نے پاؤ نڈ دیکھا تو بولا ”بھاڑ میں جائے چرچل اور اس کی تقریر، آپ پیٹھیں میں آپ کو چھوڑ آتا ہوں، آپ جیسا رحم دل اور نیک انسان مجھے کہاں ملے گا“، چرچل نے بتایا کہ میں ہی چرچل ہوں اور مجھے ہی تقریر کرنے جانا ہے تو ٹکسی ڈرائیور بہت شرمندہ ہوا اور اپنی گستاخی کی معافی چاہی، چرچل نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا ”کوئی بات نہیں، روپیہ پیسہ اکثر تعلقات اور رشتے بھلا دیتا ہے“، چرچل ایک بار پاگل خانے گیا اور وہاں کھڑے ایک شخص سے پوچھا ”آپ کا تعارف“، اس شخص نے جواب دیا ”میں پاگل خانے میں زیر علاج تھا، اب صحت یاب ہو گیا ہوں اور آج گھر جا رہا ہوں۔“، اس نے چرچل کا تعارف پوچھا تو چرچل نے کہا ”میں برطانیہ کا وزیر اعظم ہوں، وہ شخص تھیقہ لگانے لگا، آگے بڑھا اور بڑی ہمدردی کے ساتھ چرچل کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا ”میاں فکر نہ کرو آپ بہت جلد ٹھیک ہو جاؤ گے، یہ بہت اچھا ہے“، یہاں آنے سے پہلے میں بھی خود کو برطانیہ کا وزیر اعظم سمجھتا تھا لیکن اب میں مکمل طور پر ٹھیک ہوں۔“

بات دو رنگی ہم واپس آتے ہیں، چرچل نے دوسری جنگ عظیم میں برطانیہ کو

سرنوشٹن چرچل برطانیہ کے مشہور وزیر اعظم تھے، انہوں نے اپنی زندگی کا آغاز ایک سپاہی اور اخباری نمائندے کی حیثیت سے کیا، وہ 1901ء میں پارلیمنٹ کے رکن منتخب ہوئے اور مختلف عہدوں سے ہوتے ہوئے 1965ء میں انقال کر گئے۔ وہ ہوم سیکرٹری، نیوی اور فضائیہ کے سربراہ، وزیر جنگ، وزیر خزانہ اور اسلحے کے وزیر سے ہوتے ہوئے وزیر اعظم کے عہدے تک پہنچ۔ 1936ء میں برطانوی وزیر اعظم چیبرلین نے ہٹلر کو خوش کرنے کی پالیسی اپنانی تو چرچل میدان میں کوڈ پڑا، یہی وہ وقت

تھا جب چرچل کو برطانوی سیاست میں نمایاں ہونے کا موقع ملا۔ دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی تو اسے ایڈ مرل کی حیثیت سے کابینہ میں شامل کر لیا اور وہ مئی 1940ء میں برطانیہ کا وزیر اعظم بن گیا۔ اور 1945ء میں جنگ ختم ہو گئی، برطانیہ میں لیبر پارٹی کی حکومت قائم ہوئی، چرچل قائد حزب اختلاف بن گیا۔ یہ وہ دور تھا جب روس اور مغربی اتحادیوں میں سرد جنگ عروج پر تھی، چرچل نے اس سرد جنگ میں روس اور مغربی اتحادیوں میں اختلافات بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا، ولٹری کا نشان اور روس کے خلاف ”آہنی پر دے“ کی اصطلاح بھی اسی نے ایجاد کی۔ 1951ء کے انتخابات میں قدامت پسند پارٹی کو دوبارہ منظم کیا، ایکشن ہوئے، قدامت پسند پارٹی جیت گئی، چرچل دوبارہ وزیر اعظم بنا اور 1955ء میں بڑھاپے کی وجہ سے سیاست سے الگ ہو گیا۔ نوشن چرچل کو سیاست کی دنیا کا امام کہا جاتا ہے، دوسری جنگ عظیم میں ہٹلر اور جرمی کی ٹکلست میں اس نے اہم کردار ادا کیا، کہا جاتا ہے کہ اگر دوسری جنگ عظیم میں چرچل نہ ہوتا تو آج دنیا کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ جرمی کے بعد وہ روس کا بھی خاتمه چاہتا تھا اور اس کے لیے اس نے مغربی طاقتوں کے ساتھ مل کر بھر پور لانگ کی، امریکی صدر روزویلٹ نے اس لانگ کی مخالفت کی جس کی وجہ سے روس فتح گیا۔ چرچل برطانوی نوآبادیات کی آزادی کا سخت مخالف تھا، اس نے صرف اس وجہ سے وزیر اعظم بننے سے انکار کر دیا تھا کہ اسے بطور وزیر اعظم ہندوستان کی آزادی کی تقریب کی صدارت کرنی پڑتی تھی۔ چرچل اگرچہ اسلام اور مسلمانوں کا سخت مخالف تھا لیکن وہ اسلامی

ماہنامہ لاہور انٹرنیشنل ربیع الاول 1442 نومبر 2020ء

شکستہ حال سا، بے آسرا سا لگتا ہے  
 یہ شہر دل سے زیادہ دکھا سا لگتا ہے  
 ہر اک کے ساتھ کوئی واقعہ سا لگتا ہے  
 جسے بھی دیکھو وہ کھویا ہوا سا لگتا ہے  
 زمین ہے سو وہ اپنی ہی گردشوں میں کہیں  
 جو چاند ہے سو وہ ٹوٹا ہوا سا لگتا ہے  
 مرے وطن پہ اترتے ہوئے اندر ہیروں کو  
 جو تم کہو، مجھے تھر خدا سا لگتا ہے  
 جو شام آئی تو پھر شام کا لگا دربار  
 جو دن ہوا تو وہ دن کر بلہ سا لگتا ہے  
 یہ رات کھا گئی ایک ایک کر کے سارے چراغ  
 جو رہ گیا ہے وہ بجھتا ہوا سا لگتا ہے  
 دعا کرو کہ میں اس کے لیے دعا ہو جاؤں  
 وہ ایک شخص جو دل کو دعا سا لگتا ہے  
 تو دل میں بجھنے سی لگتی ہے کائنات تمام  
 کبھی کبھی جو مجھے تو بجھا سا لگتا ہے  
 جو آری ہے صدا غور سے سنو اس کو  
 کہ اس صدا میں خدا یوتا سا لگتا ہے  
 ابھی خرید لیں دنیا کہاں کی مہنگی ہے  
 مگر ضمیر کا سودا برا سا لگتا ہے  
 یہ موت ہے یا کوئی آخری وصال کے بعد  
 عجب سکون میں سویا ہوا سا لگتا ہے  
 ہوائے رنگِ دو عالم میں جاگتی ہوئی نے  
 علیم ہی کہیں نغمہ سرا سا لگتا ہے

کلام: عبد اللہ علیم



شکست سے بچا یا تھا، جنگ کے فوراً بعد برطانیہ میں ایکیشن ہوئے تو برطانوی عوام نے  
 چرچل کو ووٹ دینے سے انکار کر دیا۔ برطانوی عوام کا کہنا تھا کہ چرچل ایک جنگی ہیرو  
 ہے اور اب ہمیں جنگ نہیں امن چاہیے، اس لیے چرچل برطانیہ کی تعمیر نہ اور امن کے  
 لیے موزوں امیدوار نہیں۔ برطانوی عوام نے مناسب وقت پر درست فیصلہ کیا تھا،  
 برطانوی عوام جانتے تھے کہ چرچل ایک جنگجو ہے اور ایک جرنل سے صرف جنگ کی  
 امید ہی کی جاسکتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ چرچل اگر ایکیشن جیت جاتا تو دنیا ایک نی جنگ  
 میں مبتلا ہو جاتی۔ برطانوی عوام اور یورپ وہ سبق آج سے ستر سال پہلے سیکھ چکا تھا جو  
 پاک انڈیا عوام، میڈیا اور حکمران ستر سال بعد بھی نہیں سیکھ سکے۔ پاکستان اور انڈیا کے  
 عوام ہر دو ماہ بعد جنگ کھلینے لگ جاتے ہیں، ایشیا کے اکثر خطے آج بھی جنگ کی  
 پیٹ میں ہیں، کبھی ثانی اور جنوبی کوریا آمنے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کبھی پاک  
 بھارت فوجیں بارڈر پر آ جاتی ہیں، کبھی روس اور چین کے حالات خراب ہو جاتے ہیں  
 اور کبھی عرب اسرائیل تباہ زور پکڑ لیتا ہے۔ یہ برا عظیم ایشیا کی بدستی ہے کہ یہ  
 ہیر و شیما اور ناگا سا کی جیسے سانحات سے سبق نہیں سیکھ سکا۔ جنگ عظیم اول اور دوم میں  
 بھی ایشیا میں کروڑوں افراد ہلاک ہوئے لیکن ایشیا نے پھر بھی سبق نہیں سیکھا اور آج  
 ایک بار پھر ایشیا کے دواہم ممالک، ان کا میڈیا اور ان کے عوام جنگ کے لیے پرتوں  
 رہے ہیں۔ یہ ثابت کرتا ہے کہ ایشیائی عوام کا شعور آج بھی 1945ء کے یورپی عوام  
 سے بہت پیچھے ہے، ان لوگوں نے 1945ء میں سیکھ لیا تھا کہ جنگ مسائل کا حل نہیں  
 ہوا کرتی اور یہ پورے کے پورے ملک ہڑپ کر لیتی ہے لیکن ایشیائی عوام آج بھی  
 جنگوں کے لیے تیار بیٹھے ہیں اور یہ جنگوں کی پثاری سے اپنے مسائل کا حل چاہتے ہیں۔  
 آپ دنیا کا نقشہ اپنے سامنے میز پر پھیلائیں اور دنیا کے 260 ممالک کی فہرست  
 بنائیں، اس فہرست میں آپ ترقی یافتہ ممالک کو الگ کریں، آپ کو نظر آئے گا کہ ترقی  
 یافتہ ممالک صرف اس لیے ترقی یافتہ ہیں کہ وہاں امن اور قانون ہے اور ان ممالک نے  
 اپنے ہمایوں سے جنگ بندی کے معابدے کیے ہوئے ہیں جبکہ ترقی پذیر اور تیسری  
 دنیا صرف اس لیے پیچھے ہے کہ وہاں امن ہے نہ قانون اور یہ ممالک اپنے ہمایوں سے  
 اچھے رہتے ہیں۔ آج پاکستان اور بھارت اپنا دفاعی بجٹ کم کر دیں تو اگلے دس سال میں  
 ان ممالک سے غربت ختم ہو جائے گی اور اگلے پندرہ سال میں یہ ممالک ایشیا کے ترقی  
 یافتہ ممالک کہلائیں گے۔ میں پاک بھارت میڈیا، عوام اور حکمرانوں کے جنگی جنون کو  
 دیکھتا ہوں تو سر پکڑ لیتا ہوں کہ ڈیزیز سے پونے دوارب آبادی والے خطے میں کوئی بھی  
 ایسا نہیں جو جنگ کے بجائے امن کی بات کرے اور یہ بات سمجھ سکے کہ جنگیں مسائل کا  
 حل نہیں ہوا کرتیں بلکہ ہیر و شیما اور ناگا سا کا جیسے وہ مسائل پیدا کرتی ہیں جن کے زخم ستر  
 سال گزرنے کے بعد بھی نہیں بھرتے۔

# نابینا افراد کی پہچان سفید چھڑی



پندرہ اکتوبر کا دن ”سفید چھڑی“ کے عالمی دن کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اس دن کے منائے جانے کا آغاز انیس سو تیس میں فرانس کے شہر پیرس سے ہوا جہاں عام لاثبیوں کو سفید رنگ دے کر اس دن کو متعارف کروایا گیا، اور پندرہ اکتوبر انیس سو پینتھی سے اس دن کو باضابط طور پر اقوام متحده کے چارٹر میں شامل کیا گیا۔ جبکہ پاکستان میں یہ دن پہلی بار پندرہ اکتوبر انیس سو بہتر میں منایا گیا۔ سفید چھڑی کا عالمی دن منانے کا مقصد نابینا افراد کو درپیش مسائل اور مشکلات سے متعلق معاشرے کو آگاہ کرنا اور یہ باور کروانا ہے کہ مغدور افراد بھی تھوڑی سی توجہ کے ساتھ ایک ذمہ دار شہری ثابت ہو سکتے ہیں۔ سفید چھڑی تو نابینا افراد کو

چلنے پھرنے میں تحفظ فراہم کرتی ہے تاہم سفر زیست کے لیے تعلیم، روزگار، صحت اور آبادی میں اضافہ توجہ طلب مسائل ہیں۔ پاکستان بھر کی بلاسٹڈ ایسوی ایشنز بھی اس دن کو پرجوش انداز میں منانے کے لئے مختلف شہروں میں رنگارنگ پروگرام منعقد کرتی ہیں جن کا مقصد نابینا افراد کو تفریح فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ تمام مکاتب فکر کونا نابینا افراد کے مسائل سے آگاہ کرنا اور نابینا افراد میں موجود صلاحیتوں کو جاگر کرنا ہوتا ہے تاکہ نابینا افراد کے مسائل حل ہو سکیں، ان کو آسانیاں میراں سکیں اور یہ ملک و ملت کی تعمیر و ترقی میں اپنا کردار احسان طور پر ادا کر سکیں۔

بے کہ 2050ء میں یہ تعداد تین گناہڑ کر 11 کروڑ 50 لاکھ تک پہنچ جائے گی۔ اسوقت جنوبی ایشیاء میں ایک کروڑ 17 لاکھ افراد آنکھوں کے امراض کا شکار ہیں جبکہ مشرقی ایشیاء میں یہ تعداد 60 لاکھ 20 ہزار ہے اور جنوب شرقی ایشیاء کی تیس لاکھ 50 ہزار آبادی اس مرض سے متاثر ہے۔ جبکہ پاکستان میں تقریباً 20 لاکھ افراد بینانی سے مکمل طور پر محروم ہیں یہاں انہیں پن کی شرح 08.10 فیصد ہے، جبکہ پاکستان میں جزوی طور پر نابینا افراد کی تعداد تقریباً سانچھا لاکھ کے قریب ہے، پاکستان کی بیس فیصد آبادی ذی میطس کا شکار ہے جو انہیں پن کی ایک اہم وجہ ہے جس کے باعث آنکھ کے عدسه کے متاثر ہونے یعنی آنکھ میں موتیا آجائے کے واقعات میں اضافہ ہوا ہے۔ پاکستان میں نابینا افراد کو کار آدم شہری بنانے کے ادارے بہت کم ہیں اور ان خصوصی افراد کو کسی قسم کی سہولت یا آسانی بھی میر نہیں۔ ان افراد کو روزمرہ کے کاموں کی انجام دہی میں بھی مشکلات کا سامنا ہے تاہم کچھ نجی ادارے اس کارخیر میں اپنا کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں۔ دنیا بھر کی حکومتوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ نظر کی بیماریوں اور اس کے علاج معالحے پر سرمایہ کاری کریں کیونکہ اس سے نہ صرف متاثرہ افراد کی زندگیوں میں بہتری آئے گی بلکہ وہ کام کا جگ کر کے معیشت کو بہتر بنانے میں اپنا حصہ ڈال سکیں گے۔ جبکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ پاکستان کو دو مرتبہ ورلڈ کپ آنکھوں سے محروم افراد نے جتو اکرپانام عمران خان اور یونس خان کی صفت میں کیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت بصارت سے محروم لیکن بصیرت افروز نابینا افراد کو باعزت روزگار دے کر یا مناسب وظیفہ مقرر کر کے ان کو معاشرے کا بہترین حصہ بنانے میں موثر کردار ادا کرے۔ بلاشبہ قدرت جب کسی سے ایک نعمت لیتی ہے تو ان میں دوسرا کئی صلاحیتوں کو بیدار کر دیتی ہے۔ بصارت سے محروم نظر آنے والے یا لوگ چشم بصیرت رکھتے ہیں ان کے دل کی آنکھیں روشن، ان کے دماغ سوچ رکھنے والے اور قدرت کی نشانیوں کے عکس ہیں ان افراد کی صلاحیتوں کو استعمال میں لا کر انہیں سو سائی کا اہم ستون بنایا جاسکتا ہے۔

اس حوالے سے اس دن منعقد ہونے والے پروگرام نابینا افراد کے لئے مسافت کا باعث ہوتے ہیں۔ پندرہ اکتوبر 1999ء تک یہ دن سرکاری اور نجی سطح پر بھر پور طریقے سے منایا جاتا رہا، لیکن پھر دنیا کے سرمایہ دار اداروں نے اس دن پر شب خون مارا اور اس دن کو گلوبل بینڈ واشنگٹن ڈے یعنی ہاتھ دھونے کا دن مقرر کر دیا گیا جس کا مقصد شعور کی بیداری کے نام پر اپنی مصنوعات کی تشویش اور خود کو سماجی حیثیت میں سامنے لانا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تکلا کہ یوم سفید چھڑی پر کمرشل پرست میڈیا گلوبل بینڈ واشنگٹن ڈے کے اشتہارات کی چکا چوند میں ایسا غرق ہوا کہ نابینا افراد کو اپنے دن پر صرف ڈھائی منٹ کی کورٹج ملتی، کیونکہ نابینا اداروں کے پاس تشویش کیلئے بیسہ نہیں اس لیے ان کے مسائل آگے پہنچانے والا کوئی نہیں۔ ان حالات میں میڈیا کو اپنی قومی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے نہ صرف نابینا افراد کے مسائل کو جاگر کرنا چاہئے بلکہ نابینا افراد کی کار کر دگی بھی سامنے لانی چاہئے۔ اس کے علاوہ سرمایہ دار کمپنیوں کو بھی یہ سوچنا چاہئے کہ انہوں نے خصوصی افراد کے ایک عظیم مقصد کیلئے منائے جانے والے دن کے ساتھ جو زیادتی کی ہے وہ اس کا ذرا کریں تاکہ معاشرے کا یہ طبقہ جو ظاہر فیوز بلب کی مانند کھائی دیتا ہے اقوام عالم کی توجہ پاسکے، اور نابینا افراد معاشرے کے دیگر افراد میں بصیرت کا نور پھیلانے کا ذریعہ بن سکیں۔

اس وقت دنیا بھر میں نابینا افراد کی تعداد تقریباً تین کروڑ 60 لاکھ ہے، ماہرین کا کہنا

# گرلز ٹیک اور: 16 برس کی ایوا مور تو جو ایک دن کے لیے فن لینڈ کی وزیر اعظم بن گئیں



فن لینڈ کا شمار دنیا کے اُن ممالک میں ہوتا ہے جہاں صنف کی بنیاد پر تفریق سب نہیں رہی۔ اسی میں ان کا کہنا تھا، البتہ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اب تک صنف کی بنیاد پر برابری دنیا میں کم بر تی جاتی ہے اور اب یہاں کی وزیر اعظم سامرین صنف کی بنیاد پر تفریق کے خلاف جدوجہد کو ایک قدم اور آگے لے گئی ہیں۔ فن لینڈ کی وزیر اعظم نے اس ضمن میں کہیں بھی حاصل نہیں کی تاہم ہم نے اس ضمن میں بہت اچھا کام ضرور کیا ہے لیکن ابھی ایک 16 سال کی لڑکی کو اپنی جگہ ایک دن کے لیے ملک کا وزیر اعظم بننے کا موقع فراہم بھی اس حوالے سے بہت کام کرنا باقی ہے۔

ایسے کم عمر نوجوان جو تحرک انداز میں موسیاٹی تبدیلی اور انسانی حقوق کے مسائل پر مہم چلاتے ہیں وہ اس سکیم کے تحت اس میں شریک ہوتے ہیں۔ ایسا اپنے دن کا اختتام میں خواتین کے حقوق کو جاگر کر سکیں۔ فن لینڈ کی وزیر اعظم سامرین کی جانب سے اس نو عمر لڑکی کے ساتھ اپنے عہدے کا تبادلہ اقوام متحده کے لڑکیوں کے عالمی دن، کی مناسبت سے کیا گیا اور یہ بچوں کی ایک عالمی فلاحتی مہم کا حصہ تھا۔ یہ چوتھا سال ہے کہ فن لینڈ نے بین الاقوامی ادارے پلان انٹرنیشنل کے نوجوان لڑکیوں کی خود مختاری کے بارے میں پروگرام گرلز ٹیک اور اس کے تحت حصہ لیا۔ اس پروگرام کے تحت دنیا بھر میں کم عمر نوجوان لڑکیوں کو مختلف شعبہ ہائے زندگی میں اہم عہدوں سمیت سیاستدانوں کے پر تھاتا ہم پھر بھی ملک میں شکنا لو جی کے شعبے میں خواتین کو کم نمائندگی حاصل تھی۔ گذشتہ برس میں مرنے والے 34 برس کی عمر میں فن لینڈ کی وزیر اعظم کی حیثیت سے حلف اٹھایا تھا وہ دنیا کی سب سے کم عمر وزیر اعظم تھی۔ وہ فن لینڈ کی تیسرا خاتون وزیر اعظم ہیں اور ان کی جماعت دیگر چار بائیس بازو کی سیاسی جماعتوں کی اتحادی ہے۔ ان تمام سیاسی پارٹیوں کی سربراہ خواتین ہیں اور جن میں سے تین کی عمر 35 برس سے بھی کم ہیں۔

◆◆◆

# لارڈ زمیوز یم میں رکھی گیند اور چڑیا سے پاکستانی کرکٹ

## کی تین نسلوں کی جذباتی وابستگی

تحریر: عبدالرشید شکور

**”لندن جا رہے ہو وہ چڑیا ضرور دیکھنا“**

بازی دخان کہتے ہیں میں جب اندر 15 ولڈ کپ کھینے کے لیے انگلینڈ جا رہا تھا تو والد صاحب (ماجد خان) نے مجھ سے کہا کہ لندن جا رہے ہو موقع ملے تو لارڈ زمیوز یم میں اس چڑیا کو ضرور دیکھنا۔ ”میں نے جب پہلی بار شوکیس میں رکھی یہ چڑیا دیکھی تو میں اس واقعہ میں کھو گیا۔“ میوز یم کے عملے نے جب مجھے اس واقعہ کی تفصیل بتائی تو اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ یہ چڑیا اور اس سے منسوب واقعہ کرکٹ کی دنیا میں کتنی اہمیت رکھتا ہے۔ اس شخص کو یہ جان کر مجھی بہت خوش ہوئی تھی



کہ میں ڈاکٹر جہا نگیر خان کا پوتا ہوں۔

چڑیا آ، دانا کھا، پانی پی، اڑ جا۔۔۔

بازی دخان کہتے ہیں میں جب مجھی انگلینڈ جاتا ہوں لارڈ ز کے میوز یم جا کر یہ چڑیا ضرور دیکھتا ہوں اور جب کوئی ایسی چیز جس سے آپ کے خاندان کی یادیں واپسی ہوں اسے دیکھنے کا اپنا مざ ہے۔ کچھ عرصہ قبل یہ چڑیا مجھے نظر نہیں آئی کیونکہ اسے وہاں سے کہیں اور منتقل کر دیا گیا تھا لیکن گذشتہ سال ولڈ کپ فائنل کے موقع پر جب میں میوز یم میں گیا تو یہ چڑیا اسی شوکیس میں مجھے نظر آئی۔

### سمندری بگلاما ماجد خان کے شاث کی زد میں

ڈاکٹر جہا نگیر خان کی گیند کی زد میں آنے والی چڑیا تو نہ فک سکی شاید قدرت نے اسے ایک تاریخی حیثیت دے کر محفوظ کر دینا تھا۔ تاہم 1977 میں جب پاکستانی کرکٹ ٹیم آسٹریلیا کے دورے پر تھی تو ایڈیلیڈ ٹیسٹ کے دوران ایک سمندری بگلاما ماجد خان کے ایک تیز شاث کی زد میں آگیا لیکن اس کی جان بچ گئی۔ آسٹریلیوی کرکٹ میدانوں میں سمندری بگلے بہت بڑی تعداد میں اڑتے رہتے ہیں اور متعدد باروہ بلے بازوں کے تیز شاث کی زد میں آ جاتے ہیں۔ اب تک صرف دوبار کلاسیک گیند اور کپل دیو کے شاث سے سمندری بگلوں کی موت واقع ہوئی ہے۔

### ڈاکٹر جہا نگیر خان کون ہیں؟

ڈاکٹر جہا نگیر خان پاکستان کے ٹیسٹ کرکٹ اور سابق کپتان ماجد خان کے والد ہیں۔

گھر کے بزرگ چھوٹے بچوں کو عام طور پر یہی روایتی کہانی سناتے آئے ہیں لیکن سابق ٹیسٹ کرکٹر بازی دخان جس چڑیا کی کہانی سے آشنا ہوئے وہ ”دانا پانی“ والی نہیں بلکہ اپنے دادا ڈاکٹر جہا نگیر خان کی گیند پر جان سے ہاتھ دھونے والی چڑیا تھی۔ بازی دخان کہتے ہیں میں بہت چھوٹا تھا جب دادا کا انتقال ہو گیا لہذا میں ان کی زبانی تو اس چڑیا کے بارے میں نہ سن سکا لیکن جب ہوش سنبھالا تو والد ماجد خان کی زبانی یہ سنا۔

جب والد صاحب نے پہلی بار یہ واقعہ بتایا تو میں نے یہ سوچا کہ یہ کوئی انہوںی بات نہیں ہے ایسا ہوتا رہتا ہو گا لیکن جیسے جیسے میں بڑا ہوتا گیا اور خود کھلینے لگا تو پھر مجھے احساس ہوا کہ یہ ایک منفرد واقعہ ہے۔

اس چڑیا کی کہانی آخر ہے کیا؟

تین جولائی 1936 میں لارڈ ز کرکٹ گراؤنڈ پر کیمبرج یونیورسٹی اور ایم سی سی کے درمیان میچ جاری تھا۔ کیمبرج یونیورسٹی کے میڈیم فاست بول محمد جہا نگیر خان ایم سی سی کے ٹام پیزیس کو بولنگ کر رہے تھے کہ اڑتی ہوئی ایک چڑیا ان کی گیند کی زد میں آگئی اور گر کر مر گئی۔ اس چڑیا کو اسی گیند کے ساتھ محفوظ کر کے لارڈ ز کے تاریخی ایم سی سی میوز یم میں رکھ دیا گیا جہاں یہ 84 سال گزر جانے کے باوجود آج بھی دیکھنے والوں کی دلچسپی کا سبب بنی ہوئی ہے۔

# نعت شریف

حکمت دا منبع اے ، وَرَبَّارِ مُحَمَّدِ دَا  
اکھیاں دا چانن اے ، دیدارِ مُحَمَّدِ دَا  
اوہ شخص جہاں اس چوں ، ردیا ای جاندائے  
جھڑا وی گر دائے ، انکارِ مُحَمَّدِ دَا  
اخلاق تے آقا دا ، قُرْآن پیاء وَسَدَائے  
روشن ہے دُنیا تے ، کردارِ مُحَمَّدِ دَا

ہُن چین کیوں آوے ، ھے حاہنگ مدنے  
مرا دل تے ہویائے ، بیمارِ مُحَمَّدِ دَا  
تیک آلِ مُحَمَّدِ دی ، دو جگ توں اعلیٰ اے  
پیاء پُھل وَرَعَادَائے ، ہر یارِ مُحَمَّدِ دَا

اس چن نیں پائی اے ، خیراتِ مُحَمَّدِ توں  
دو جگ نُوں چانن دے ، رُحْسَارِ مُحَمَّدِ دَا  
دِن رَاتِ خُدا وَندِ توں ، اَكْرَمِ ایہ دُعا گرتُوں  
دیدارِ خُدا دیوے ، اک وَارِ مُحَمَّدِ دَا

\*شاعر: رانا محمد اکرم شاد\*

انھوں نے غیر منقسم ہندوستان کی طرف سے چارٹیٹ میج کھیلے جن میں انھوں نے چار  
وکٹیں حاصل کی تھیں۔ وہ 1932ء میں انگلینڈ کے خلاف اولین ٹیٹ میج کھیلنے والی  
غیر منقسم ہندوستان کی ٹیم میں شامل تھے۔ انھوں نے آنچھلیکس مقابلوں میں بھی  
ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی تھی۔ پاکستان بننے کے بعد وہ سلیکٹر ہے۔ وہ 1961ء  
میں فضل محمود کی قیادت میں انڈیا کا دورہ کرنے والی پاکستانی ٹیم کے فیجھر تھے۔ وہ اپنی  
اصول پسندی کے لیے مشہور تھے۔ اس دورے کی روپرٹ میں انھوں نے پاکستان فضل  
محمود اور متعدد کھلاڑیوں کی جانب سے ڈسپلن کی خلاف ورزی کا ذکر کیا تھا جس پر  
پاکستان کرکٹ بورڈ نے فضل محمود اور حنیف محمد پر حرمان بھی عائد کیے تھے۔ ڈاکٹر  
جہانگیر خان کی اصول پسندی کی ایک اور مثال یہ ہے کہ جب ان کے بیٹے ماجد خان کا  
ٹیٹ ٹیم میں سلیکشن ہونے والا تھا تو انھوں نے سلیکشن کمیٹی سے استعفی دے دیا تھا۔  
باپ بیٹے میں ایک بات یہ مشترک ہے کہ ڈاکٹر جہانگیر خان نے اپنے اولین فرست  
کلاس میچ میں 107 رنز کی انگلز کھیلنے کے علاوہ 42 رنز دے کر 7 وکٹیں حاصل کی تھیں۔  
اسی طرح ماجد خان نے اپنے اولین فرست کلاس میچ میں 111 رنز اسکور کرنے کے  
ساath 67 رنز دے کر 6 وکٹیں حاصل کی تھیں۔

## گھر میں سچی تین ٹیٹ کیپس

باز یید خان صرف ایک ٹیٹ میچ میں پاکستان کی نمائندگی کر سکے ہیں لیکن اس میچ میں  
سر پر سجائے والی ٹیٹ کیپ ان کے لیے اس لیے بھی غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے کہ  
وہ ان کے دادا اور والد کی ٹیٹ کیپ کے ساتھ رکھی ہوتی ہے۔ باز یید خان کا کہنا ہے کہ  
والد صاحب (ماجد خان) کو اپنے کیریئر میں استعمال میں ہونے والی اشیاء اپنے پاس  
رکھنے کا زیادہ شوق نہیں رہا لہذا انھوں نے کئی اشیا عطا کر دی تھیں یا تھنے میں دے دی  
تھیں۔ مثلاً انھوں نے ایک بلیزر پاکستان کرکٹ بورڈ کے میوزیم کے لیے دے دیا  
جبکہ ایک بلیز رائیجیس کالج کے میوزیم کو دیا تھا۔ باز یید خان کہتے ہیں ماجد خان نے  
اکتوبر 1976ء میں نیوزی لینڈ کے خلاف کراچی ٹیٹ میں جس بیٹ سے کھانے کے  
وقت سے قبل سپری بنائی تھی وہ بیٹ انھوں نے میلورن کرکٹ گرونڈ کے میوزیم کو  
دے دیا تھا۔ باز یید خان کہتے ہیں کہ ماجد خان کو سب سے زیادہ افسوس اس بات کا ہے  
کہ کھانے کے وقت سے قبل ان کی یادگار سپری کی کوئی فوچ محفوظ نہیں ہے۔ پاکستان  
ٹیلی ویژن میں ایک ریل پر دوسری ریکارڈنگ کر دی جاتی تھی لہذا اس انگلز کا کوئی بھی  
 حصہ محفوظ نہ رہ سکا۔ باز یید خان کا کہنا ہے ماجد خان پاکستان ٹیلی ویژن میں ڈائریکٹر  
رہے تو اس وقت بھی انھوں نے اپنی اس انگلز کی ریکارڈنگ کو بہت تلاش کیا لیکن انھیں  
کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ (بشتیر یہ بی بی اردو)



# لداخ کا چین بھارت تصادم اور کشمیر کا مقدمہ



تحریر: فاروق درویش

اندرون بھارت میں مودی سرکار کی خلاف تنقیدی طوفان کا بھی بغور جائزہ لے رہے ہیں۔ حالات میں آگ بھڑکنے کا آغاز اس وقت ہوا جب بھارت نے عالمی اداروں کی قراردادوں کو روی کی ٹوکری



بھارت کی ذلت آمیز شکست کے بعد عالمی ایوانوں میں کشمیری مسلمانوں کے حق خودارادیت کا مقدمہ ایک جنوں خیز انداز کے ساتھ اجاگر ہو گا۔ چین اور بھارت کے مابین عالیہ جنگی تصادم میں بھارت کی جنگی مہم

جو یوں کی رسائی کے بعد خطے میں نئی اسٹریجیک صفت بندیوں کے جو تازہ اشارے مل میں چینیک کر کشمیر اور لداخ کی بھارتی آئین میں دی گئی خصوصی حیثیت ختم کر کے رہے ہیں۔ یقینی طور پر ان سے پاکستان کیلئے سفارتی آسانیاں پیدا ہوں گی۔ اور توی اسے دھونوں، لداخ اور جموں کشمیر میں تقسیم کیا۔ جس کیخلاف پاکستان اور چین امید ہے کہ اب عالمی ایوانوں میں کشمیری مسلمانوں کے حق خودارادیت کا مقدمہ ایک میں عوامی اور سرکاری سطح پر زور دار آواز اٹھ رہی ہے۔ عالمی اداروں کی جنوں خیز انداز کے ساتھ پھر سے اجاگر ہو گا۔ مودی سرکار کے وجود میں آنے کے بعد قراردادوں کے برخلاف اس اقدام کی جہاں پاکستان میں عوامی اور سرکاری سطح پر سے بھارت اندروں خلفشار میں ڈوب رہا ہے۔ نریندر مودی کی متشدد مذہبی پالیسیوں سخت مخالفت کی گئی ہے۔ وہاں چین بھی سخت گیر عمل کے ساتھ فریق بن کر سامنے آیا ہے۔ چین بھی لداخ کے بھارتی اقدامات کو مسترد کر کے انہیں واپس لینے کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اس وجہ سے کئی ماہ سے چین اور بھارت کے مابین لداخ سیکنٹر میں مسلسل تناوار رہا ہے۔ یہ بھارت کی ناقابل فہم بہت دھرمی ہے کہ وہ عالمی اداروں کی قراردادوں کے باوجود جموں کشمیر کو اپنا اندروں فیصلہ قرار دیتا ہے۔ لیکن پاکستان اور چین اسے بین الاقوامی طور پر تسلیم شدہ حل طلب معاملہ قرار دینے میں حق بجانب ہیں۔ پاکستان میں کچھ ماہرین کا خیال ہے کہ چین دراصل انڈو پیسفیک اتحاد میں بھارت کی سرگرمیوں کے بارے شدید تحفظات رکھتا ہے۔ چین خطے میں جاری بھارتی سرگرمیاں اپنے ریاستی مفادات کے خلاف سمجھتا ہے۔ عالمی مبصرین جانتے ہیں کہ یہ عالیہ کشیدگی اس نئی اسٹریجیک صفت بندی کا واضح اشارہ ہے جس میں پاکستان کا کردار انتہائی اہم ہے۔

عالی منظر پر بغور نظر ڈالیں تو ایک طرف امریکہ اور اس کا نیا اتحادی بھارت، آسٹریلیا، جنوبی کوریا اور جاپان کھڑے ہیں۔ یہ عالمی اتحاد اسٹریٹ آف ملا کا میں چین کا راستہ بند کرنے کیلئے اس کے ہر نوعیت کے مفادات کی راہ میں مشکلات کھڑی کر رہا ہے۔ جبکہ دوسری طرف روس کی تازہ لانگ کی بدولت چین کے ساتھ میں نریندر مودی نے بھارت کی ذلت اور رسائی کو یہ کہہ کر جھوٹ کے پردے میں چھپانے کی کوشش کی ہے کہ چین نے بھارت کی ایک انجیز میں پر بھی قبضہ نہیں کیا۔ حالانکہ عالمی پریس اور سیلیاٹ تصاویر تصدیق کرتے ہیں کہ چینی فوج بھارتی قبضے والے علاقے کے سینکڑوں مریع کلوئیسا ایریا یا پر قابض ہے موجودہ صورت حال میں حکومت اور افواج پاکستان نہ صرف اپنی سرحدوں پر مسلسل نظر رکھے ہوئے ہے بلکہ وہ

پاکستان، نیپال، بھوٹان اور خطے کے وہ دوسرے چھوٹے ممالک اکٹھے ہو رہے ہیں دونوں سرحدوں پر جنگ چھیڑنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور ویسے بھی پچھلے ایک ماہ سے چین نے دنیا کو اس کی "نام نہاد مہماں جنگی قوت" کا جو بیندھ جایا ہے، اس کے بعد بھارت میں مزید مہم جوئی کی بہت باقی نہیں ہو گی۔ بھارت جانتا ہے کہ چین اور پاکستان شانہ بشانہ ساتھ ہیں۔ لہذا وطن فحاذ کھولنے کا انعام بھی انک ہو گا۔ ہمسایہ ممالک کیخلاف مہم جوئیوں کی عادت سے مجبور بھارت نے چینی سرحد کے اندر مہم جوئی کی جو کوشش، چین نے منہ توڑ جواب دیکر بتا دیا کہ یہ مقبوضہ کشمیر نہیں ہے۔ موجودہ حالات میں بھارت اس خوف میں بھی بھتلا ہو سکتا ہے کہ کہیں چین اور پاکستان اس کیخلاف کوئی مشترکہ منصوبہ نہیں کر رہے۔ لہذا اس صورت حال میں پاکستان اور چین کو مضبوط باہمی منصوبہ بندی اور ورنگ ریلیشن کو مزید فعال بنانے کی اشد ضرورت ہے۔ یاد رہے کہ راجیو گاندھی کے دورے میں کشمیر ہاؤس کے بورڈ پر پردے ڈالنے والی پاکستانی حکومتوں سے زیادہ امیدیں رکھنا مابعد دل آزاریوں کا سبب ہوتا ہے۔ البتہ افواج پاکستان اور حساس قومی ادارے اپنی قومی سلامتی کے حوالے سے مکمل الرٹ ہیں۔ عسکری قیادت بھارت اور چین کے مابین کشیدگی کے شانگین حالات میں اپنے ملکی مفادات کا تحفظ بہتر جانتی ہے۔ اس وقت پاکستانی پالیسی کی پہلی ترجیح کشمیر کی خصوصی حیثیت کو بحال کرانا اور چین سے اشتراک عمل کو وسیع سے وسیع تر کرنا ہی ہونی چاہئے۔ خطے میں پائیدار امن اور کشمیر کی آزادی کیلئے پاکستان اور چین میں مضبوط اشتراک عمل اور فعال ترونگ ریلیشن شپ ایک سنہری کنجی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور میرے دل میں امید جاگی ہے کہ اب میں ان شاء اللہ آزادی کے ساتھ اپنے آبائی شہر ضلع انت ناگ کشمیر میں مقیم اپنے بھڑے ہوئے خاندان سے ضرور ملوں گا۔۔۔۔۔

## لاہور انٹرنیشنل رسالہ کی توسعی اشاعت میں حصہ لینا آپ کا قومی فرض ہے۔

جو بھارت کی ڈبل فیس سیاست اور پودھراہٹ سے سخت عاجز ہیں۔ چین بھارت کی امن دشمنی، ہمسایہ ممالک کے معاملات میں مداخلت اور امنیٰ سیاست عنابر کی سر پرستی کو امن اور معاشی ترقی کے سفر میں بڑی رکاوٹ سمجھتا ہے لہذا وہ ہر قیمت پر ایسی مشکلات کا خاتمہ چاہتا ہے۔ چین کو کسی بحرانی صورت میں جو مقابل روٹ دستیاب ہو سکتا ہے وہ صرف پاکستان سی پیک کی شکل میں فراہم کر سکتا ہے۔ گوہر اسٹریچ یا یوں پر پاک چین تعلقات ہمیشہ سے بڑے مضبوط رہے ہیں۔ لیکن لداخ میں حالیہ کشیدگی کی وجہ سے دونوں ممالک کے مفادات اب مشترکہ مفادات میں بدلتے نظر آ رہے ہیں۔ اور عالمی مبصرین کے مطابق مستقبل میں ان تعلقات میں مزید گرم جو شی پیدا ہو گی۔ دفاعی مبصرین کے مطابق اس صورت حال سے پاکستان کو کافی فائدہ پہنچ رہا ہے۔ پاکستان سفارتی سٹھ پر بھوٹان، نیپال اور چین کے ساتھ ملکر بھارت کو خطے میں تھا کر سکتا ہے۔ چین سے قریبی تعلقات والے ممالک سے ملکر میں الاقوامی سٹھ پر بھارت پر اس بات کیلئے دباو ڈالا جا سکتا ہے کہ وہ کشمیر کی سابقہ حیثیت فوری بحال کرے۔ زیندر مودی اپنی ہٹ وھر میوں پر اڑے رہے تو چین اور پاکستان کا مشترکہ رد عمل کشمیر میں بھارت کیلئے شدید مشکلات پیدا کر سکتا ہے۔ عالمی برادری بھی جانتی ہے کہ کشمیر کی آئینی حیثیت تبدیل ہونے سے مقبوضہ کشمیری مسلمانوں میں مایوسی بڑھ رہی ہے۔ جبکہ زیندر مودی کے برس اقتدار آتے ہی کشمیر میں نہتے عوام پر ریاستی جبر و تشدد میں انتہائی اضافہ ہوا ہے۔ لیکن افسوس کہ حکومت پاکستان یا برادر مسلمان ممالک نے بھارتی اقدامات کیخلاف نہ تو کوئی بھر پور آواز اٹھائی اور نہ ہی کوئی عملی اقدامات کئے ہیں۔ لیکن چین اور بھارت کے حالیہ تصادم کے بعد صورت حال یکسر بدلتے نظر آتی ہے۔ اب پاکستان کے ساتھ چین بھی یہ مطالبة مضبوط انداز میں کر رہا ہے۔ بظاہر پاکستان کی پہلی ترجیح یہی ہو گی کہ پہلے کشمیر کی سابقہ خصوصی حیثیت بحال کی جائے تاکہ کشمیری مسلمانوں کی مایوسی کم ہو۔ لہذا اب چین کے ساتھ مضبوط سانس کے ساتھ کھڑا ہونا انتہائی اہم ہے۔ چونکہ شکست خورده بھارت ابھی بیکٹ پر ہے لہذا چین اور پاکستان کی طرف سے اس زوردار مطالبے کی شدت سے بھارت پر شدید دباو بڑھے گا۔ پاکستان کو یہ خدشہ رہا ہے کہ بھارت اس کیخلاف کوئی مہم جوئی کر سکتا ہے۔ لیکن دفاعی مبصرین کے مطابق چین کے ساتھ حالیہ تصادم کے بعد اب بھارت کی پاکستان کیخلاف کم نہ مہم جوئی کی منصوبہ بندیوں کو زبردست دھچکا لگا ہو گا۔ بھارت مشرقی سرحد پر درپیش ان حالات میں اب پاکستان کیخلاف کسی جنگی مہم جوئی کا خطرہ مول نہیں لے گا۔ وہ

# ماہر تعلیم کا اجلاس رپورٹ



ریاض (عبد شمعون چاند) سعودی دارالحکومت الریاض میں فنون لطیفہ اور طلباء کی استعداد کا رکن اور ترقی اور ترویج کے لئے معروف ماہر تعلیم پروفیسر عظمت اللہ بھٹہ کی رہائش گاہ پر ایک اہم اجلاس منعقد ہوا جس میں مختلف علمی و ادبی اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے وابستہ ماہرین نے شرکت کی، اس موقع پر طلباء کی مختلف غیر نصابی سرگرمیوں اور فنون لطیفہ اور آئی ٹی جیسے شعبوں میں ترقی اور ترویج کی ضرورت پر زور دیا گیا اور ایک نئی سماجی تنظیم "اطہار" کی بنیاد رکھی گئی جس کے اغراض و مقاصد میں یہ طے کیا گیا کہ طلباء کو فن تحریر و تقریر، شعری و نثری ادب، مصوری، نامہ نگاری، مضمون نگاری اور آئی ٹی جیسے اہم شعبوں میں تربیت اور معاونت فراہم کی جائے گی، اس موقع پر باہمی مشاورت سے تنظیمی ڈھانچے کا اعلان کیا گیا جس میں تنظیم کی صدارت پروفیسر عظمت اللہ بھٹہ، سینئر

ریاض (عبد شمعون چاند) سعودی عرب میں پاکستان انٹرنیشنل سکول ناصریہ میں نائب صدر ذوالفقار احمد، نائب صدر معروف شاعر شاہد خیالوی، جزل سیکرٹری راشد محمود، جوائزہ سیکرٹری انجینئر محمد اعجاز اور ہمیڈ آف سائنس اینڈ ٹکنالوجی عبد الصبور کو مقرر کیا گیا جبکہ مجلس عاملہ کے ارکین نے فیصلہ کیا کہ تنظیم کی سرپرستی کے لئے سفیر پاکستان راجہ علی اعجاز سے درخواست کی جائے گی۔ اس موقع پر اجلاس کی صدارت پروفیسر عظمت اللہ بھٹہ نے کی جبکہ ناظامت کے فرائض راشد محمود نے انجام دیے اجلاس سے دیگر مقررین نے بھی خطاب کیا اور تنظیمی پیش رفت اور طلباء کی استعداد کا رہنمائی کے طریقہ کار طے کرنے پر پروفیسر عظمت اللہ بھٹہ کا شکر یہ ادا کیا گیا۔



سماجی  
سرگرمیاں

## پاکستان انٹرنیشنل اسکول ریاض کی نیوز رپورٹ / عبد شمعون چاند سعودی عرب



ریاض (عبد شمعون چاند) سعودی عرب میں پاکستان انٹرنیشنل سکول ناصریہ میں 2020 کے فنی درل بورڈ اسلام آباد کے میٹرک اور انٹرمیڈیٹ کے نتائج میں شاندار کامیابی حاصل کرنے والے طلباء و طالبات کے اعزاز میں ایک تقریب کا انعقاد کیا گیا جس کے مہمان خصوصی سفارتخانہ پاکستان کے ولیفیر ایتاشی عبدالشکور شیخ تھے طلباء میں معبد منصور نے 1083 نمبر لے کر پہلی طالبات میں مومنہ ناصر نے 1079 نمبر لے کر پہلی پوزیشن حاصل کی جبکہ احمد باجوہ نے انٹرمیڈیٹ میں 1054 نمبر لے کر پہلی پوزیشن حاصل کی سفارتخانہ پاکستان کے ولیفیر ایتاشی شیخ عبدالشکور کا کہنا تھا کہ ان پھوٹو نے نہ صرف سکول کا نام روشن کیا بلکہ پاکستان کا بھی نام روشن کیا ہے یہ بچے جہاں بھی جائیں گے پاکستان کی نمائندگی کریں گے اور پاکستان کے مستقبل کو روشن کریں گے سکول کے پرنسپل ایز کمودور نعیم اختر کا کہنا تھا کہ ہم اس سے بھی بہتر تعلیمی نتائج کے لیے کوشش ہیں انہوں نے والدین اور اساتذہ کو بھی خراج تحسین پیش کیا جن کی انتہا محنت کے بغیر اس شاندار کامیابی کا حصول ممکن ہی نہیں تھا۔

آخر میں طلباء و طالبات میں شیلڈز اور ٹرائی بھی تقسیم کی گئی۔

جبکہ سکول کی جانب سے مہمان خصوصی سفارتخانہ پاکستان کے ولیفیر ایتاشی عبدالشکور شیخ کو بھی شیلڈز پیش کی گئی (پاک یونائیٹڈ میڈیا فورم سعودی عرب)۔

امپارنگ کو آرڈینیٹر عاطف، الیکٹرانک میڈیا انچارج سمیع اللہ نجار، اور میڈیا کو آرڈینیٹر رسمی اور دیگر نے بھی خطاب کرتے ہوئے ایم ایکس (MX) فی ٹوئنٹی ٹورنامنٹ کوشاندار ٹورنامنٹ قرار دیا اور کھلاڑیوں کی بہترین کھیل کو سراہا اور کہا کہ ریاض کر کٹ ایسوی ایشن آئندہ بھی ایسے تاریخ ٹورنامنٹ کا انعقاد کرتی رہے گی۔



## سعودی عرب سے عابد شمعون چاند کی رپورٹ / انڈس کلچرل اینڈ سوشنل فورم ریاض

ریاض (عابد شمعون چاند) انڈس کلچرل اینڈ سوشنل فورم سعودی عرب کی جانب سے سفارتخانہ پاکستان ریاض کے سکدوش ہونے والے ویلفیر اتاشی شیخ عبدالشکور کے اعزاز میں الوداعی تقریب کا انعقاد کیا گیا جس میں سندھی کیونٹی کے اکابرین نے شرکت کی تقریب کے مہمان خصوصی شیخ عبدالشکور تھے جبکہ صدارت منظر آف ٹریڈ اینڈ انویسٹمنٹ اظہر علی داہر نے کی تقریب کی نظمت کے فرائض حفظ شیخ نے سر انجام دیتے ہوئے آنے والے معز زمہانوں کو خوش آمدید کہا اور مہمان خصوصی شیخ عبدالشکور کی زندگی پر تفصیلی روشنی ڈالی الوداعی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے مہمان خصوصی شیخ عبدالشکور نے کہا کہ جس بے پناہ محبت اور جذبات کا اظہار یہاں کی پاکستانی کیونٹی کی جانب سے کیا گیا ہے اس کو ہمیشہ یاد رکھوں گا انہوں نے کہا کہ سعودی عرب میں پاکستانی کیونٹی اعلیٰ خوبیوں کی حامل ہے ایسا خوبصورت گلڈستہ کسی اور جگہ دیکھنے کو نہیں ملا عرصہ ملازم پوری کر کے جا رہوں انشاء اللہ جہاں بھی جاؤں گا پاکستانیوں کی خدمت کو اپنا فرض سمجھ کر کروں گا شیخ عبدالشکور نے اپنے اعزاز میں خوبصورت تقریب منعقد کرنے پر انڈس کلچرل اینڈ سوشنل فورم کی عہدیداران کا شکریہ ادا کرتے ہوئے نیک تمناؤں کا اظہار کیا تقریب سے خطاب کرتے ہوئے منظر آف ٹریڈ اینڈ انویسٹمنٹ



## ریاض کر کٹ ایسوی ایشن کی نیوز رپورٹ / عابد شمعون چاند سعودی عرب

ریاض (عابد شمعون چاند) سعودی عرب کی سب سے بڑی اور معروف ریاض کر کٹ ایسوی ایشن کے زیر اہتمام ایم ایکس (MX) فی ٹوئنٹی ٹورنامنٹ کے چاروں فائنلز میچز اختتام پذیر ہو گئے جن کو دیکھنے کے لیے شاکرین کر کٹ کی بڑی تعداد نے شرکت کی ایم ایکس (MX) فی ٹوئنٹی کی فائل کی اختتامی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے مہمان خصوصی سعودی عرب نیشنل ٹیم کے سابق کپتان مشہور و معروف آل راؤنڈر ندیم با بر نے کہا یہ فی ٹوئنٹی میچز موڑن کر کٹ میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں ریاض کر کٹ ایسوی ایشن نے ہمیشہ سے کر کٹ کو فرود غار کھلاڑیوں کے ٹینٹ کو اجاگر کرنے میں اپنا کلیدی کردار ادا کیا ہے جو قبل ستائش ہے ندیم با بر نے ریاض کر کٹ ایسوی ایشن کے پیٹر انچیف پنس عبدالعزیز بن ناصر بن عبدالعزیز کی کوششوں کو سراتت ہوئے کہا کہ ان کی خصوصی دلچسپی سے آج سعودی عرب میں کر کٹ کے کھیل کو بھر پور فرود غمل رہا ہے انہوں نے خاص طور پر آرسی اے چیزر مین اور پیٹر ن محمد انور صدر طارق جاوید نیشنر نائب صدر ناصر عباسی کی کوششوں اور کاوشوں کو سراہا۔

تقریب سے ریاض کر کٹ ایسوی ایشن کے سینئر نائب صدر ناصر عباسی نے کہا کہ تقریب سے کر کٹ کا مستقبل بہت روشن ہے ریاض کر کٹ ایسوی ایشن جس لگن سعودی عرب میں کر کٹ کی آبیاری کر رہی ہے اس کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی ناصر محنت اور محبت سے کر کٹ کی آبیاری کر رہی ہے اس کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی ناصر عباسی نے مزید کہا کہ ریاض میں کر کٹ کو رانچ کرنے کا سہرا ریاض کر کٹ ایسوی ایشن کے ای او ندیم با بر کے سر پر ہے جو دون رات کر کٹ کو بہتر سے بہتر کرنے کی لگن میں مصروف عمل ہے۔

تقریب سے ریاض کر کٹ ایسوی کے عہدیداروں جن میں نائب صدر عاشق مغل،

# کئی زبانوں میں ترجمہ کرنے والا فیس ماسک

میگزین ڈیسک



گزشتہ کئی ماہ سے پوری دنیا میں کورونا وائرس کے نام سے ایک عالمی وبا پھیلی ہوئی ہے۔ تو اس سے بچنے کے لیے فیس ماسک لگانا لازمی ہے۔ اس ضمن میں ایک جاپانی کمپنی نے ایک ماسک تیار کیا ہے جو سماجی فاصلے کے وقت آپ کی آواز کو بڑھانے اور آٹھ زبانوں میں ترجمہ کر سکتا ہے۔ یہ ماسک ایک ایپ کے ذریعے کام کرتا ہے اور اگر آپ کچھ کہہ رہے ہیں تو یہ اس کا ترجمہ کئی زبانوں میں کر سکتا ہے اور اگر کوئی سماجی فاصلے کی وجہ سے اپنی آواز دوسرا تک پہنچانے سے قاصر ہے تو ماسک ایک لاڈاپسٹر کے ذریعے آپ کی آواز کو بڑھا سکتا ہے۔ اس طرح سماجی فاصلے اور گفتگو میں آسانی کے لیے اب یہ ماسک مددگار ثابت ہو گا۔ کمپنی کے مطابق اس ماسک میں سامنے کی جانب سانس لینے کے لیے سوراخ بنائے گئے ہیں۔ ان سوراخ کا صل کام ترجمہ کرنا اور آپ کی آواز کو بڑھا کر پیش کرنا ہے۔ اس کو پلاسٹک اور سلیکون سے بنایا گیا ہے۔ اس میں ایک جدید ترین ماسکر و چپ نصب ہے جو پہننے والے کے اسارت فون سے بلوٹو تھہ یا وائی فائی سے جڑ سکتی ہے۔ اس طرح آپ ہسپانوی، فرانسیسی، چینی، کوریائی، ویتنامی، انگریزی اور جاپانی زبانوں میں ترجمہ کر سکتے ہیں۔

یعنی ان آٹھوں زبانوں کو ایک دوسرے میں ترجمہ کیا جا سکتا ہے۔ پہلے یہ کمپنی صرف ایک مترجم آئل بانا چاہتی تھی لیکن کووڈ 19 آنے کے بعد اسے فیس ماسک میں تبدیل کر دیا گیا۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ یہ مترجم ماسک ایسے سیاحوں کے لیے بنایا گیا ہے جو ایک پورٹ پر زبان نہ جانئے کی وجہ سے مشکلات کے شکار ہوتے ہیں یا پھر کسی دوسرے ملک کی اجنبی زبان سے پریشان ہوتے ہیں۔

اظہر علی داہر نے کہا کہ شیخ عبدالشکور انہائی ذمہ دار باصلاحیت اور محبت کرنے والے عظیم انسان ہے کمیونٹی کے لیے ان کی بے شمار خدمات پر میں ان کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں ان کی کمیونٹی میں ہمیشہ محسوس ہوتی رہے گی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے انڈس کلچرل اینڈ سوشنل فورم کے صدر ڈاکٹر مصطفیٰ میمن نے کہا کہ شیخ عبدالشکور ایک عظیم انسان ہے سندھ وہری کے اس سپورٹ پر ہمیں فخر ہے کمیونٹی میں ان کی گروں قدر خدمات ناقابل فراموش ہیں جن کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا شیخ عبدالشکور نے عوامی خدمت کا اعزاز پایا لوگوں کے دلوں پر دوستی اور محبت کے گھرے نقش چھوڑ کر جا رہے ہیں انڈس کلچرل اینڈ سوشنل فورم کے سابقہ صدر ذیشان قاضی نے کہا کہ شیخ عبدالشکور مخلص ہے باک انسانیت کی پاسداری کرنے والے محب وطن انسان ہے جس ذمہ داری کے ساتھ انہوں نے اپنے فرائض سرانجام دیئے وہ قابل قدر اور قابل تحسین ہیں حفیظ شیخ نے کہا کہ شیخ عبدالشکور نے دیار غیر میں اپنے ہم وطنوں کی بے لوث خدمت کو اپنا فرض سمجھ کر کیا دن رات ایک کر کے تمام وسائل کو بروعے کار لاتے ہوئے کمیونٹی کی ولیفیئر کے لیے کوشش نظر آئے ایسے انسان کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکے گا تقریب سے، غلام قادر ملاح، زاہد میاں، فیصل شیخ، انیس ملک، ڈاکٹر سعید، عرفان میمن اور دیگر نے بھی خطاب کرتے ہوئے شکور شیخ کی اعلیٰ اور بے لوث خدمات کو سراہتے ہوئے ان کو زبردست خراج تحسین پیش کیا تقریب کے آخر میں انڈس کلچرل اینڈ سوشنل فورم کی جانب سے شیخ عبدالشکور کو یادگاری شیلہ بھی پیش کی گئی خوبصورت تقریب منعقد کرنے پر حاضرین نے انڈس کلچرل اینڈ سوشنل فورم کے تمام ممبران اور عہدیداروں کی کوششوں کو سراہا۔



رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو  
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زبان کوئی نہ ہو

بے درو دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے  
کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاساں کوئی نہ ہو

پڑیئے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیار دار  
اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

(مرزا غالب)



# لَا إِكْرَاهٌ فِي الدِّينِ

(قسط اول)



فرمایا۔ شرک نہ کرو۔ وعید بتلایا۔ إِنَّ اللَّهَ لَا يَعْفُ عنِ الْيُشْكَرِ بِهِ (النساء، 49) کوئی حضرت مسیح کو پوچھے یا امام حسینؑ یا سید عبد القادر جیلانی کو یاد رخت یا تالاب۔ پہاڑ۔ جانور کو سب برا بر ہیں کیونکہ یہ سب چیزیں خادم ہیں وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ (الجاثیہ 14) پس جو مندوم ہونے کی بھی حیثیت نہیں رکھتی وہ تمہاری معبدوں کس طرح بن سکتی ہے؟ انجلیں۔ وید۔ ٹندوں تابدھ کی تعلیم میں میں نے عظمتِ الہی کی یہ را ہیں ہرگز نہیں پائیں۔ قرآن کا ایک ایک روکوں مسلمانوں کو توحید کا سبق دیتا ہے پھر کبھی اگر یہ شرک میں گرفتار ہیں تو ان کی بد قسمتی۔ کیا خوب فرمایا أَنْبِغِيْكُمْ إِلَهًا وَهُوَ فَضْلُكُمْ عَلَى الْعَلَمِيْنَ (الْأَعْرَافِ 141) تم خود جہاں والوں سے افضل اور پھر انہی میں سے کوئی چیز تمہاری معبدوں بنے؟

پھر اسلام میں عام اخلاق کی نسبت دیکھو کہ شراب سے بڑی سختی کے ساتھ منع کیا کیونکہ یہ سب برا بیوں کی جڑ ہے۔ ایک شخص ایک عورت پر عاشق ہو گیا۔ اس نے کہا وصل کی شرط میں اس بنت کی پرستش کرو۔ 2۔ خاوند کو قتل کر دو۔ شراب پی لو۔ اس نے کہا کہ ایک شراب پینا مان لیتا ہوں باقی بہت خوفناک گناہ کے افعال میں نہ کروں گا۔ جب شراب پی تو پھر دوسرا چیزوں کا بھی مر تکب ہو گیا۔

اسلام کا تیرسا اصول پر دے کی تعلیم ہے۔ میں نے کسی کتاب میں جو خدا کی طرف منسوب کی جاتی ہے یہ تعلیم نہیں پائی۔ قُلْ لِلَّهِ مُنِينَ يَعْضُوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ (النور 31) اور قُلْ لِلَّهِ مُنِينَاتٍ يَعْضُضُنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَ (النور 32) مومن مرد اور عورتیں پیچی اور شیم بازگا ہیں رکھنے کی عادت ڈالیں۔

دیکھا جماعت اللہ (خر) اور جہاں الشیطان (عورت) سے کس طرح روکا۔ پھر نماز کی تاکید کی۔ جو شخص پانچ نمازوں کا پابند ہے وہ کبیرہ گناہ شراب وغیرہ کا ارتکاب بھی نہیں کرے گا۔ پھر اسلام میں مال حرام سے ممانعت کی۔ شراب وغیرہ کا پینا مال کثیر پر موقوف ہے اور مال کثیر زیادہ تر طریق حرام ہی سے آتا ہے اس لئے منع کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے أَللَّهُمَّ اذْقُ الْمُحَمَّدَ قُوتَةً۔

پھر اسلام میں جزا اوزار کا مسئلہ ہے۔ یہ بھی کل گناہوں سے روکنے والا ہے۔ پھر اسلام کا یہ اصل کہ وہ تمام پسندیدہ امور کے کرنے اور قبیحہ امور کے نہ کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک موقع پر فرماتے تھے۔ أَنْتُمْ خَيْرُ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمُعْرُوفِ وَتَنْهَوُنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران 111)۔ ایک قوم نے اپنا سفیر داسطے تحقیق و مدن اسلام کے بھیجا تھا وہ یہ کلمہ سنتے ہی واپس گیا اور اپنی قوم سے جا کر کہا سب مسلمان ہو جاؤ۔ وہ حیران ہوئے تو اس نے بتایا کہ جس

قرآن کریم کی اس آیت کی روشنی میں اس کی تفسیر قارئین کے لیے پیش خدمت ہے: لَا إِكْرَاهٌ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنِ النَّجْمِ فَإِنْ يَكُنْ بِالظَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لَا إِنْفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَيِّعُ عَلَيْمَ (البقرہ 257)

ترجمہ: دین میں کچھ بروتی نہیں بے شک ہدایت گرا ہی سے صاف صاف الگ ہو چکی ہے تو جو نہ مانے جھوٹے معبود کو اور اللہ ہی کو مانے تو البتہ اس نے مضبوط رشتی پکڑ لی جوٹوئے والی نہیں اور اللہ بڑا سننے والا ہے۔

لَا إِكْرَاهٌ فِي الدِّينِ۔ ایک انبیاء کی راہ ہوتی ہے ایک بادشاہوں کی۔ انبیاء کا یہ قاعدہ نہیں ہوتا کہ وہ ظلم و ہو روتھدی سے کام لیں۔ ہاں بادشاہ جروں کراہ سے کام لیتے ہیں۔

پولیس اس وقت گرفت کر سکتی ہے جب کوئی گناہ کا ارتکاب کر دے مگر مذہب گناہ کے ارادہ کو بھی روکتا ہے۔ پس جب مذہب کی حکومت کو آدمی مان لیتا ہے تو پولیس کی حکومت اس کی پرہیزگاری کے لئے ضروری نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جبر و اکراہ کا تعلق مذہب سے نہیں۔ پس کسی کو جبر سے مت داخل کرو کیونکہ جو دل سے مومن نہیں ہوا وہ ضرور منافق ہے۔ شریعت نے منافق اور کافر کو ایک ہی رشتی میں جکڑا ہے۔ غلطی سے ایسی کہانیاں مشہور ہو گئی ہیں کہ اسلام بزرور شمشیر پھیلایا گیا ہے۔ بھلا خیال تو کرو اگر اسلام میں جبر جائز ہوتا تو ہندوستان میں اتنے سو سال حکومت رہی پھر یہ ہزاروں برسوں کے مندر، شوالے اور پیٹکیں کیوں موجود پائی جاتیں؟

عالیگیر کو بھی الزام دیتے ہیں کہ وہ ظالم تھا اور بالجرم مسلمان کرتا۔ یہ کیسی بیہودہ بات ہے۔ اس کی فوج کے سپہ سالار ایک ہندو تھے۔ برا حصہ اس کی عمر کا اپنے بھائیوں سے لڑتے گزرا۔ اس کی موت بھی تانا شاہ کے مقابل میں ہوئی۔ پھر اسلام بادشاہوں کے افعال کا ذمہ دار نہیں۔ مسلمانوں نے یہی غلطی کی کہ مفترضین کے مفتریات کو تسلیم کر لیا حالانکہ اسلام ولی محبت و اخلاق سے حق بات ماننے کا نام ہے۔ اسی لئے اسلام میں جبر نہیں۔ یہ آیت ضروری یاد رکھنی چاہیے۔ اسلام میں ہرگز اکراہ نہیں۔ چنانچہ پارہ گیارہ رکوں 10 میں فرماتا ہے۔ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمِنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَيِّعاً أَفَأَنْتَ تُنْهِيُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ (يونس 100)۔

قدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنِ النَّجْمِ رُشْدٌ كَبِيْتَهُ بِإِصَابَةِ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ يَعْنِي وَاقِعِي بات کو پالیتا اور حق تک پہنچ جانا۔ حق کہتے ہیں اس حق و صواب کی جگہ سے رُک جانے کو۔ اسلام کے چند اصول بیان کرتا ہوں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس میں رُشْد و غنی کو کیا امتیاز سے بیان کیا ہے۔

مذہب کا اصل امر بالمعروف، نبی عن المُنْكَر ہو وہ کیونکر برا ہو سکتا ہے بلکہ اس میں نہ داخل ہونے والا یہ رہے۔

فَمَنْ يَكْفُرُ بِالظَّاهِرَاتِ - طاغوت طغوت سے نکلا ہے۔ حد بندی سے آگے بڑھنے والے کو طاغی کہتے ہیں۔ سیلاپ کو بھی طغیانی اسی لئے کہتے ہیں کہ پانی ندی کی حد مقررہ سے باہر نکل کر اچھلتا ہے۔ شریعت نے ہر بات کے لئے حد کھی ہے پس جو اس حد سے نکلا ہے وہ طاغی ہوا اور جو تمام حد بندیوں کو توڑ کر نکل جاوے وہ طاغوت کہلاتا ہے۔ پس جو حضرت حق سجادہ کا، جو نذر ہے تمام عیوب و نقصان سے اور جامع ہے کمالات و خوبیوں کا، فرمائبردار ہو تو فَقَدِ اسْتَيْسَكَ بِالْعَزُوْقَ الْوُقْنَى اُس نے بڑی مضبوط پکڑنے کی چیز کو پکڑا۔ غرودہ کہتے ہیں پکڑنے کی چیز کو۔

لَا إِكْرَارٌ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ النَّقْيِ - دین کے معاملہ میں جرنیں۔ وہ کھلی چیز ہے۔ رُشد اور غنی الگ الگ چیزیں ہیں۔ رُشد اختیار کرنے اور غنی کے چھوڑنے میں کسی اکراه کی ضرورت نہیں۔ اس آیت میں تین لفظ ہیں دین، رُشد اور غنی۔

الدِّينُ - اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب میں جو دین کی توضیح اور تفسیر فرمائی ہے وہ یہ ہے إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ إِلَّا إِسْلَامٍ - اللہ تعالیٰ کے حضور دین کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے؟ إِلَّا إِسْلَامٌ اپنی ساری قوتوں اور طاقتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کافرمانبردار ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کو لے اور اس پر روح اور راستی میں عمل درآمد کرے۔ دین کے متعلق جرأیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور سوال کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلکہ ہم کو آگاہ کیا ہے کہ یہ جرأیل تھا۔ آتاكُمْ يَعْلَمُنِّمْ دِيْنَكُمْ - پس دین کی حقیقت اور اس کا صحیح اور سچا مفہوم وہ ہو گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت بیان فرمایا۔ الاسلام کے معنے یہ ہیں۔ سرکھ دنیا۔ جان سے۔ دل سے۔ اعضاء سے۔ مال سے۔ غرض ہر پہلو اور ہر حالت میں اللہ تعالیٰ ہی کی فرمانبرداری کرنا۔

دین کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزیں عطا فرمائی ہیں جن کے ذریعہ ہم اس کی کامل اطاعت، فرمان پذیری اور وفاداری کا اظہار کر سکتے ہیں اور پھر ان کے وراء الورا اندر ہی اندر قوی پر حکمرانی کر سکتے ہیں اور ان کو الی فرمانبرداری میں لگا سکتے ہیں۔ غرض دین کی اصل حقیقت جو قرآن شریف نے بتائی ہے وہ مختصر الفاظ میں کامل وفاداری، سچی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہے۔

الدِّينُ کا پہلا رکن یعنی الایمان۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جرأیل کے توسط سے جو کچھ صحابہ کو اور ہم کو سکھایا ہے وہ ان سوالات میں بیان ہوا ہے جو صحابہ کی موجودگی میں جرأیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے اور جن کی اصل غرض يَعْلَمُنِّمْ دِيْنَكُمْ تھی۔ ان میں سے پہلا یہ ہے۔ مَا الْإِيمَانُ؟ یا رسول اللہ! ایمان کس چیز کا نام ہے؟ فرمایا اُنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ ایمان کی عظیم الشان اور پہلی جزو ایمان باللہ ہے اور یہ بالکل سچی بات ہے کہ ایمان کا سرچشمہ اور اس کی ابتداء اللہ پر یقین کرنے سے شروع

### ایمان بالملائکہ کی فلاسفی

ایمان باللہ کے بعد دوسرا جزو ایمان کی ایمان بالملائکہ ہے۔ ایمان بالملائکہ کے متعلق مجھے اللہ تعالیٰ نے یہوں سمجھ دی ہے کہ انسان کے دل پر ہر وقت ملک اور شیطان نظر کھتے ہیں اور یہ امر ایسا واضح اور صاف ہے کہ اگر غور کرنے والی فطرت اور طبیعت رکھنے والا انسان ہو تو بہت جلد اس کو سمجھ لیتا ہے بلکہ موٹی عقل کے آدمی بھی معلوم کر سکتے ہیں اور وہ اس طرح پر کہ بعض وقت یا کیک بیٹھے بھائے انسان کے دل میں نیکی کی تحریک ہوتی ہے یہاں تک کہ ایسے وقت بھی یہ تحریک ہو جاتی ہے جبکہ وہ کسی بڑی بدی اور بدکاری میں مصروف ہو۔ میں نے ان امور پر متلوں غور کی اور سوچا ہے اور ہر ایک شخص اپنے دل کی مختلف کیفیتوں اور حالتوں سے آگاہ ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ بھی اندر ہی اندر کسی خطرناک بدی کی تحریک ہو رہی ہے اور پھر محبوس کرتا ہے کہ معاویل میں رفت اور نیکی کی تحریک کا اثر پاتا ہے۔ یہ تحریکات نیک یا بد جو ہوتی ہیں بد و نیکی محرک کے تو ہوں ہمیں سکتی ہیں۔ پس یہ وہی بات ہے جو میں نے ابھی کہی ہے کہ انسان کے دل کی طرف ملائکہ اور شیاطین نظر کھتے ہیں۔ پس ایمان بالملائکہ کی اصل غرض یہ ہے کہ ہر نیکی کی تحریک پر جو ملائکہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے کبھی کسل و کابلی سے کام نہ لے اور فوراً اس پر عمل کرنے کو تیار ہو جائے اور توجہ کرے۔ اگر ایمان کرے گا تو وَا عَلِمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلُمُ بَيْنَ الْأَنْجَوْنَ وَقَلْبُهُ كَامْدَادِقٍ ہو کر پھر نیکی کی توفیق سے بذریعہ محروم ہو جائے گا۔

چنانچہ فرمایا۔ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيْنَاهُمْ سُبْلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَبَعْ  
الْمُسْخِسِنِينَ (العنکبوت 70) یعنی جو لوگ ہم میں ہو کر مجاہدہ اور سعی کرتے ہیں، ہم ان  
پر اپنی راہیں کھول دیتے ہیں۔ یہ کسی بھی اور صاف بات ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا  
کہ کیوں اختلاف کے وقت انسان مجاہدات سے کام نہیں لیتا۔

کیوں ایسے وقت انسان دبدہ اور تردد میں پڑتا ہے اور جب یہ دیکھتا ہے کہ ایک کچھ  
قویٰ دیتا ہے اور دوسرا کچھ تو وہ گھبرا جاتا اور کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ کاش وہ جاہدُوا  
فِيْنَا کا پابند ہوتا تو اس پر سچائی کی اصل حقیقت گھل جاتی۔ مجاہدہ کے وقت ایک اور شرط  
بھی ہے وہ تقویٰ کی شرط ہے۔ تقویٰ کلام اللہ کے لئے معلم کا کام دیتا ہے۔ وَاتَّقُوا اللَّهَ  
وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ۔ اللہ کی تعلیم تقویٰ پر مختصر ہے اور اس کی راہ کا حصول جہاد پر۔ جہاد سے  
مراد اللہ تعالیٰ کی راہ میں سعی اور کوشش ہے۔

### ترقیات کا منع

اللہ تعالیٰ کی راہ میں سعی اور جہاد اور تقویٰ اللہ سے روکنے والی ایک خطرناک غلطی ہے  
جس میں اکثر لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں اور وہ یہ ہے فِيْحُوا بِسَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ کسی  
قسم کا علم جو انسان کو ہو وہ اس پر نازکرے۔ اسی کو اپنے لئے کافی اور راحت بخش سمجھتے تو  
وہ سچے علوم اور ان کے متانج سے محروم رہ جاتا ہے۔ خواہ کسی قسم کا علم ہو، وجدان  
کا، سائنس کا، صرف و خوبی کام یا اور علوم، غرض کچھ ہی ہو۔ انسان جب ان کو اپنے لئے  
کافی سمجھ لیتا ہے تو ترقیوں کی پیاس مٹ جاتی ہے اور محروم رہتا ہے۔

راست باز انسان کی پیاس سچائی سے کبھی نہیں بچ سکتی بلکہ ہر وقت بڑھتی ہے۔ اس کا  
ثبوت اس سے بڑھ کر لیا ہو گا کہ ایک کامل انسان، اعلم بالله، اتقى بالله، آخشنی بالله جس  
کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے وہ اللہ تعالیٰ کے سچے علوم۔ معرفتیں۔ سچے بیان اور عمل در  
آمد میں کامل تھا اس سے بڑھ کر اعلم۔ اتقى اور آخشنی کوئی نہیں۔ پھر بھی اس امام المتقین  
اور امام العالمین کو یہ حکم ہوتا ہے قُلْ رَبِّ زَدْنِي عِلْمًا (ط 115) اس سے صاف پایا  
جاتا ہے کہ سچائی کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور تقین کی راہوں اور علوم حق کے  
لئے اسی قدر پیاس انسان میں بڑھے گی جس قدر وہ نیکیوں اور تقویٰ میں ترقی کرے گا۔  
جو انسان اپنے اندر اس پیاس کو بچانا ہو محسوس کرے اور فِيْحُوا بِسَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ  
کے آثار پائے اس کو استغفار اور دعا کرنی چاہیے کہ وہ خطرناک مرض میں بنتا ہے جو اس  
کے لئے تقین اور معرفت کی راہوں کو روکنے والی ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی راہیں بے انت اور اس کے مراتب و درجات بے انتہا ہیں  
پھر مومن کیونکر مستغفی ہو سکتا ہے۔ اس لئے اسے واجب ہے کہ اللہ کے فضل کا طالب اور  
ملائکہ کی پاک تحریکوں کا متعاق ہو کر کتاب اللہ کے سمجھنے میں چست و چالاک ہو اور سعی اور  
مجاہدہ کرے۔ تقویٰ اختیار کرے تاپے علوم کے دروازے اس پر کھلیں۔

غرض کتاب اللہ پر ایمان تب پیدا ہو گا جب اس کا علم ہو گا اور علم مختصر ہے مجاہدہ اور  
تقویٰ پر اور فِيْحُوا بِسَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ سے الگ ہونے پر۔ ॥۳۳۳॥

یہ کی بات ہے کہ جب انسان نیکی کی تحریکوں کو ضائع کرتا ہے تو پھر وہ طاقت، وقت،  
فرصت اور موقع نہیں ملتا۔ اگر انسان اسی وقت متوجہ ہو جاوے تو معا نیک خیال کی  
تحریک ہوتی ہے۔ چونکہ اس خواہش کا محیک مغض فضل اللہ سے ملک ہوتا ہے جب  
انسان اس کی تحریک پر کار بند ہوتا ہے تو پھر اس فرشتہ اور اس کی جماعت کا تعلق بڑھتا  
ہے اور پھر اس جماعت سے اعلیٰ ملائکہ کا تعلق بڑھنے لگتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا  
قرب حاصل ہو جاتا ہے۔

ایک حدیث میں صاف آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی سے پیار کرتا ہے تو جبرائیل کو  
آگاہ کرتا ہے تو وہ جبرائیل اور اس کی جماعت کا محبوب ہوتا ہے اسی طرح پر درجہ بدرجہ  
وہ محبوب اور مقبول ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ زمین میں مقبول ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث  
اسی اصل اور راز کی حل کرنے والی ہے جو میں نے بیان کیا ہے۔ ایمان بالملائکہ کی  
حقیقت پر غور نہیں کی گئی اور اس کو ایک معمولی بات سمجھ لیا جاتا ہے۔ یاد رکھو کہ ملائکہ کی  
پاک تحریکوں پر کار بند ہونے سے نیکیوں میں ترقی ہوتی ہے یہاں تک کہ انسان اللہ  
تعالیٰ کا قرب اور دنیا میں قبول حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح پر جیسے نیکیوں کی تحریک ہوتی ہے  
ہے میں نے کہا کہ بدیوں کی بھی تحریک ہوتی ہے۔ اگر انسان اس وقت تغوفہ، استغفار  
سے کام نہ لے۔ دعا نیک نہ مانگ۔ لا حول نہ پڑھے تو بدی کی تحریک اپنا شکریتی ہے  
اور بدیوں میں بنتا ہو جاتا ہے۔ پس جیسے یہ ضروری ہے کہ ہر نیک تحریک کے ہوتے ہی  
اس پر کار بند ہونے کی سعی کرے اور سُستی اور کاہل سے کام نہ لے یہ بھی ضروری ہے کہ  
ہر بد تحریک پر فی الفور استغفار کرے، لا حول پڑھے، درود شریف پڑھے اور سورۃ فاتح  
پڑھے اور دعا نیک مانگے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ایمان بالله کے بعد ایمان بالملائکہ کو کیوں  
رکھا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ساری سچائیوں اور پاکیزگیوں کا سرچشمہ تو جناب اللہ ہی  
ہے مگر اللہ تعالیٰ کے پاک ارادے ملائکہ پر جلوہ گردی کرتے ہیں اور ملائکہ سے پاک  
تحریکیں ہوتی ہیں۔ ان نیکی کی تحریکوں کا ذریعہ دوسرے درجہ پر چونکہ ملائکہ ہیں اس  
لئے ایمان بالله کے بعد اس کو رکھا۔

ملائکہ کے وجود پر زیادہ بحث کی اس وقت حاجت نہیں۔ یہ تحریکیں ہی ملائکہ کے  
وجود کو ثابت کر رہی ہیں۔ اس کے علاوہ لاکھوں لاکھ مخلوقِ اللہ ایسی ہے جس کا ہم کو علم بھی  
نہیں اور نہ ان پر ایمان لانے کا ہم کو حکم ہے۔

### ایمان بالکتب

اس کے بعد تیسرا جزو ایمان کا ایمان بالکتب ہے۔ براہ راست مکالمہ اول فضل  
ہے پھر ملائکہ کی تحریک پر عمل کرنا اس کے قرب کو بڑھاتا ہے ان کے بعد کتاب اللہ کے  
ماننے کا مرتبہ ہے۔ کتاب اللہ پر ایمان بھی اللہ کے فضل اور ملائکہ ہی کی تحریک سے ہوتا  
ہے۔ اللہ کی کتاب پر عمل درآمد جو سچے ایمان کا مفہوم اصلی ہے چاہتا ہے محنت اور جہاد۔

## تھے اور ان کی سائنس کے لیے کیا خدمات تھیں؟



تاہم اب جاظٹ کے باعث قارئین عظیم البیان تنازعات پر کتاب میں پڑھنا چاہتے تھے۔ جاظٹ کے پبلشر نے یہ بات عام کر دی تھی کہ وہ اپنی تازہ ترین کتاب میں ان موضوعات پر بات کریں گے جنہوں نے اس وقت عراق کے بہترین ذہنوں کو الجھار کھانا شدہ بھی کرتا ہے کہ عربی میں فلسفے کی بنیاد اپنے کتاب میں پڑھنا چاہتے تھے۔ جاظٹ کے پبلشر نے یہ بات عام کر دی تھی کہ وہ اپنی تازہ ترین کتاب میں ان علی نسبی خاندان میں آنکھ کھوئی۔ انھیں عربوں کے فلسفی، کا لقب ملا، جو اس بات کی

تجھے، یعنی کیا خدا نے بہترین دنیا تیار کی؟ کیا وہ اس سے بہتر دنیا تشکیل دے سکتا تھا، جس میں جو بھی پیاریاں اور تکالیف نہ ہوتیں؟ اگر وہ ایک بہتر دنیا تشکیل دے سکتا تھا تو اس نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ اور کیا شرکی موجودگی کا مطلب یہ ہے کہ خدا نہیں ہے؟

جب جاظٹ کی یہ کتاب شائع ہوئی تو اس پر غم و غصے کا اظہار کیا گیا اور اسے سمجھ سے بالاتر قرار دیا گیا۔ یہ بات جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ جاظٹ نے اس کتاب کو کتاب الحلال کا نام دیا۔ وہاں موجود کسی شخص نے جملہ کہ ایک بخیل شخص کا شرکے مسائل سے کیا لیتا دینا۔ سب نے کہا کہ یہ بوڑھا آدمی پیاری کے باعث اپنے حواس کھو بیٹھا ہے۔ ایک بد نیت حریف نے کہا کہ کسی کو سمجھتی نہیں آ رہی کہ اس نے کیا لکھا ہے۔

تاہم جب لوگوں نے اس کتاب کو پڑھنا شروع کیا تو یہ دراصل مزاح کی ایک قسم تھی

جس میں معاشرے کے آداب اور چند افراد پر نظر کیا گیا تھا۔ اس کے صفحات ہم عصر وہیں کے بارے میں تفصیلات سے بھرے ہوئے تھے۔ ممکن ہے کہ ان کرداروں میں سے کچھ کے نام تبدیل کر دیے گئے ہوں۔ ہجوم نے جاظٹ کی جانب سے دیے گئے لفظی خاکوں میں موجود کرداروں کی نشاندہی کرنے کی کوششوں میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرنا شروع کر دیا۔ لوگوں نے ایک دوسرے سے پوچھنا شروع کر دیا:

اُن میں سے بخیل کون ہے جو پتھر کے چراغ کی جگہ شیشے کا چراغ استعمال کرتا ہے تاکہ وہ تیل بچا کر پیسے بچا سکے؟

بی بی اسی ریڈ یو تھری کی خصوصی سیریز سنہر اسلامی دور کی اس قسط میں پروفیسر جیمز منگمری ہمیں عرب فلسفی الکنڈی کے بارے میں بتا رہے ہیں۔ ابو یوسف یعقوب ابن اسحاق الکنڈی انسانی فکر اور ثقافتی سرگرمی کا اہم دور سمجھی جانے والی نویں صدی کے دوران عراق میں رہتے تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب بغداد بہت آسانی سے ایتحاذ اور روم جیسے عظیم مرکز کا مقابلہ کیا کرتا تھا۔ بی بی اسی اردو نے ریڈ یو پرنٹر ہونے والی اس سیریز کا ترجمہ کیا ہے۔ کنڈی نام عرب قبیلے کنڈا کی رکنیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ کنڈی کا شجرہ نسب ابتدائی طور پر اسلام قبول کرنے والے اور پنجابی اسلام کے دوست اشعت بن قیس سے جڑتا ہے۔ الکنڈی کے والد کوفہ کے شہزادے تھے اور انہوں نے ایک مالدار اور علی نسبی خاندان میں آنکھ کھوئی۔ انھیں عربوں کے فلسفی کا لقب ملا، جو اس بات کی نشاندہی بھی کرتا ہے کہ عربی میں فلسفے کی بنیاد اپنے کتاب میں پڑھنا چاہتے تھے۔ یہ ایسا لقب ہے جو اس لیے بھی سچ ہے کیونکہ الکنڈی سے پہلے عربی میں فلسفہ نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ ہمیں یہ معلوم ہے کہ الکنڈی کا فلسفے کی جانب رجحان ان کے ساتھیوں میں کچھ خاص مقبول نہیں تھا۔ چلیے تھوڑی دیر کے لیے ایک منظر کا خاکہ کھینچتے ہیں۔ یہ منظر 850 عیسوی میں بغداد کتابوں کی مارکیٹ کا ہے جہاں کتب میں کے شوقین افراد انتہائی پر جوش دکھائی دے رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مقبول نشر نگار، علوم دینیات کے ماہر اور کئی مشہور کتابوں کے لکھاری جاظٹ کی کتاب کی رومنائی ہونا تھی۔ اس موقع پر ان کے حریف لکھاری بھی وہاں موجود تھے تاکہ ببابے عربی نشر کی تازہ ترین کتاب کے مواد کے بارے میں جان سکیں۔ ابو عنان عمر و بر الکنافی البصری المعروف جاظٹ کی آخری دو کتابوں، کتاب البیان و التنبیہ اور سات جلدیں پر مشتمل کتاب الحیوان نہ صرف پچھلی دہائی کی مقبول ترین کتب میں سے تھیں بلکہ ان کے باعث عرب انداز بیان اور ان کے حریفوں پر بھی نہ مٹنے والے نقوش چھوڑ گئیں۔ کتاب الحیوان خاص طور پر مقبول ہوئی، یہاں تک کہ جاظٹ کے سامنے ارسطو کا عظیم کام بھی فرسودہ لگنے لگا۔ کچھ ہی برس پہلے تک کوئی بھی شخص ایسا نہیں تھا جو ارسطو کے کام کے ترجمے کے علاوہ کوئی اور چیز پڑھنا چاہتا ہو۔ ارسطو کی الخطاب، مابعد الطیبیہ اور المقولات جیسی کتابیں عوام میں بہت مقبول تھیں اور وہ ان کی دانائی کے شیدائی تھے۔

رکو، رکو، اس میں الکنڈی کا بھی ذکر ہے!  
کیا کہا؟ عربوں کے فلسفی، الکنڈی؟  
ہاں، اس میں صرف الکنڈی لکھا ہے!  
تو چلو پھر ہمیں بتاؤ کہ یہ الکنڈی کے بارے میں کیا بتاتا ہے۔

یہ ایک بھی کہانی ہے جو عالم دین معبد کی جانب سے سنائی گئی ہے جو کچھ عرصے کے لیے الکنڈی کے کراچیہ دار رہے۔ ایک موقع پر معبد کو اپنے ساتھ ایک ماہ کے لیے دو مہمان ٹھہرانے تھے۔ الکنڈی نے اس ماہ کے لیے ان کا کراچیہ 33 فیصد بڑھادیا۔ کنڈی نے اس بارے میں یہ دلیل دی کہ گھر میں دو اضافی افراد کی موجودگی چاہے وہ ایک ماہ کے لیے ہی کیوں نہ ہونٹھی مراحل اور علت و معلول کے نظریے کے تحت مالک پر بوجھ ڈالتی ہے۔ ان کے مطابق اس سے مقامی نالوں پر بوجھ پڑتا ہے اور پینے کے پانی کی مانگ میں اضافہ ہوتا ہے۔ مکان مالک کامعاشری نقصان ہوتا ہے کیوں کہ اس کی پراپرٹی کی قیمت گھٹ جاتی ہے اور مستقبل میں کوئی یہاں کرائے پر بہنا پسند نہیں کرتا۔

یہ الکنڈی کی دلیل لگتی بھی ہے۔  
سنو، یہ لازماً الکنڈی ہی ہوگا۔

کام کی عملی اہمیت بھی تھی جسے عسکری شعبے میں بھی استعمال کیا جاسکتا تھا۔

ان کے شیئے متعلق کام کو خلیفہ کی فوج کی جانب سے اسلحہ میں استعمال کیا گیا۔ انھوں نے تلواروں اور لوہے کی مختلف اقسام پر بھی کام کیا اور ان کے استعمال کے حوالے سے مخصوص ہدایات بھی دیں اور یہ بھی بتایا کہ ان سے بہترین اسلحہ کیسے تیار کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے سمندر میں پیدا ہونے والے مدوجزر، بادلوں کی گرج چمک سمیت دیگر موسمیاتی رجحانات پر بھی تحقیق کی۔ انھوں نے حیوانات اور مکھیوں پر تحقیق کی، ان کی پر فیومز اور فاصٹے ناپنے کے حوالے سے تحقیق بھی مقبول ہے۔ انھوں نے سیاست اور اخلاقیات پر بھی کام کیا اور سفر اط کے تووال کا مجموعہ بھی بنایا۔ الکنڈی نے غم اور اداسی سے نمٹنے پر بھی لکھا اور حکمرانی کے حوالے سے بھی۔ انھوں نے روح سے متعلق بھی تحقیق کی اور غیر اسلامی گروہوں سے مذہبی تنازعات سے متعلق بھی ان کا کام موجود ہے۔

ساتھ ہی وہ علم فلکیات، علمِ نجوم، علمِ کائنات، طب، ریاضی کی شاخ جیو میٹری، تھمیکس، دائروں اور موبیقی پر بھی کام کرتے رہے۔ انھوں نے منطق، قیاس، منطقی اور فلسفے پر بھی کام کیا۔ انھوں نے اس بات کا بھی جائزہ لیا کہ فلسفے کے نصاب کی ترتیب کیا ہوئی چاہیے، اس طوکی کتابوں کی ترتیب اور ان کا اپناب سے جامع کام یعنی فرشت فلاسفی، کسی کی بھی نظر سے دیکھا جائے تو یہ یقیناً ایک انتہائی متاثر کن فہرست ہے۔ تاہم وقت الکنڈی کی لائبریری پر زیادہ عرصہ مہربان نہیں رہا۔ ہم اس بار آور اور ذہین مفکر کی

### الکنڈی کی لائبریری اور ان کے بڑے دن

الکنڈی کے بڑے دن خلیفہ الموقل کے دور حکومت (847-861ء) میں آئے اور ان کے اشرافیہ کے ساتھ روابط اور امیر گھرانے میں پیدائش کا بھی انھیں کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ خلافت کے دور میں بغداد ایک انتہائی مسابقاتی معاشرہ تھا۔ یہاں مقابله کا ایک اہم شعبہ سائنس تھا۔ الکنڈی کی اس دور کے مشہور ریاضی دانوں بنو موئی برادران سے نہیں بنتی تھی جنکی خلیفہ کی بھرپور حمایت حاصل تھی۔ انھوں نے خلیفہ کو منایا

جانب سے کیا گیا زیادہ تر کام کھو چکے ہیں۔ الکنڈی کا سب سے مقبول کام فرست فلاسفی پڑھے۔ ان کی اس کتاب کا صرف پہلا حصہ ہی محفوظ رکھا جاسکا ہے اور اسے مزید چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر حصے میں ایک الگ موضوع پر بات کی گئی ہے۔

پہلے حصے میں فلاسفے کے حق میں اور اس کے دفاع میں بات کی گئی ہے۔ یاد رہے کہ الکنڈی فلاسفہ کو عربی زبان میں متعارف کروارہے تھے اس لیے یہ واضح ہے کہ فلاسفے متعلق ان کے خیالات کے مخالفین بھی موجود تھے۔ دوسرا حصہ میں اس فلاسفیانہ نقطہ نظر کی تردید کی گئی تھی کہ یہ دنیا ابدی ہے اس لیے اسے وجود میں لانے کے لیے کسی خالق کی ضرورت نہیں۔ تیسرا حصہ میں واحدانیت کے صحیح معنوں پر بات کی گئی ہے جبکہ چوتھے حصے میں خدا کی واحدانیت پر بات کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ اس کے وزو دکی تفصیل بیان نہیں کی جاسکتی یعنی دوسرا لفظوں میں وہ ناقابل بیان ہے۔ یہ چار موضوعات الکنڈی کے چار بنیادی فلاسفیانہ خدشات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان کے کام کے پچھے ہوئے تکڑوں اور اقوال سے ان کے ایک پسندیدہ موضوع کی نمائندگی ہوتی ہے اور وہ ہے پروردگاری۔ یعنی تحقیق کی نویعت سے متعلق مشہور فلاسفیانہ سوال جس پر 850ء میں اکثر افراد سر دھنتے رہے اس کے لیے الکنڈی ”غیر واضح“ ہو گا۔ ہاں دنیا بہترین ہے، انسان کو بس اسے صحیح طرح سمجھنے کی ضرورت ہے اور اسے سمجھنے کے حوالے سے اشارے الکنڈی کی فلاسفیانہ نظام میں ڈھونڈے جاسکتے ہیں۔ یہاں موضوعات ان کے پسندیدہ تھے ان کا فلاسفیانہ ”جنون“ ہیں اور ان موضوعات کے بارے میں وہ بار بار بات کرتے ہیں۔ جیسے فلاسفے کی ضرورت، کائنات کی تخلیق، واحدانیت کے معنی، خدا کا ناقابل بیان ہونا اور پروردگاری۔ وہ فلاسفے کو ایک تقویٰ کی ایک خاص قسم کے طور پر دیکھتے ہیں جس کے ذریعے تعلیم یافتہ اشرافیہ اپنی زندگیوں کی تصحیح کر کے جنت میں داخل ہو سکتی ہے۔ ان کا موضوعات بنیادی طور پر اسلامی نظریات کے گرد گھومتے ہیں۔ ان کے نزدیک فلاسفے اور دین کے درمیان کوئی تنازع نہیں ہے۔ الکنڈی کے لیے فلاسفہ دینی قیاس کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے اور فلاسفہ قران میں نازل ہونے والی وحی کے عین مطابق ہے۔ لیکن اسے فرست فلاسفی کا نام کیوں دیا گیا؟ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب خدا کی واحدانیت سے متعلق تھی۔ وہ پہلا سب جس کے وجود سے ہر چیز سے چلتی ہے۔ اور کیوں کے خدا ہر چیز سے پہلے آتا ہے اسی طرح عدد دون، (۱) بھی سب سے پہلے آتا ہے اور اسے الکنڈی اور ان کے ساتھی ایک عدد نہیں سمجھتے تھے۔ تو ”فرست فلاسفی“ تمام فلاسفیانہ قیاس سے پہلے آتا ہے جس میں فرکس اور اخلاقیات بھی شامل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فلاسفیانہ سوچ کے عروج کے باعث یہ وہ مقام ہے جس تک ہر فلاسفی پہنچنا چاہتا ہے اس لیے اسے سب سے آخر میں پڑھنا چاہیے۔ الکنڈی اعداد میں بھی

خاصی دلچسپی رکھتے تھے اور انھیں ہر اس چیز پر استعمال کرتے تھے جس کے بارے میں وہ سوچتے تھے۔ وہ دراصل عدد شناس تھے اور یقین رکھتے تھے کہ یہ کائنات پولی ہائیڈرک اشکال سے وجود میں آئی۔ یعنی آگ کی شکل اہرام جیسی، زمین مکعب کی شکل میں، ہوا کی آٹھ اطراف میں اور آسمانی دائرے کی 12 اطراف ہیں۔

جاہظ کے الکنڈی سے متعلق لفظی خاکے میں ان کے اعداد سے لگاؤ کو بھی مزاج کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ الکنڈی اپنی عدد شناسی کو کہاں تک لے جانا چاہتے تھے؟ الکنڈی کی سوانح عمری لکھنے والے ان کی ایک محبت بھری نظم کا بھی ذکر کرتے ہیں، جو کچھ یوں ہے:

میں اپنے چار حصوں میں آپ کے بارے میں چار چیزوں سے محبت کرتا ہوں مجھے نہیں معلوم کہ کون سی چیز مجھے سانس لینا بھی بھلا دیتی ہے  
میری آنکھوں میں آپ کا چہرہ، میرے منہ میں آپ کا ذائقہ، میرے کانوں میں آپ کے الفاظ یا میرے دل میں آپ کے لیے محبت

عربی کے عظیم فلاسفی الکنڈی ایک ایسے شخص تھے جس نے جیسا سوچا اور محسوس کیا، ویسے ہی زندگی گزاری۔ وہ کب اس دنیا سے کوچ کر گئے اس کی کوئی تصدیق شدہ تاریخ نہیں لیکن کچھ ذرائع کے مطابق وہ 873ء کے آس پاس وفات پا گئے۔ اگرچہ ہمیں نہیں معلوم کہ ان کی وفات کیوں ہوئی، لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ ان کی وفات کیسے ہوئی۔ افسوس کہ ان کی موت اتنی عظیم نہیں تھی جتنی ستر اط کی تھی جو ایک ایتھنز کی ایک جیل میں اپنے دوستوں کے دوران زہر پیتے ہوئے وفات پا گئے۔ الکنڈی کی موت ایک معان لمح کا اپنے آپ کو دھوکہ دینے کا المناک واقعہ ہے۔ کچھ عرصے سے ان کے گھنٹے میں انکیش ہو چکا تھا جس کے باعث پیپ بھی پڑ چکی تھی۔ اس وقت یہ سمجھا جاتا تھا کہ کیونکہ فیض یعنی بلغم چار طوبات میں سے ایک ہے اس لیے اسے دیگر طوبات سے متوازن کیا جاسکتا ہے یعنی خون، صفراء، اور سیاہ پت۔ الکنڈی نے پہلے پرانی شراب پی اور پھر جب اس سے کچھ اثر نہ ہوا تو انھوں نے شہد بھی پی کر دیکھا لیکن یہ علاج دیسے ممکن نہ ہو سکا جیسے الکنڈی نے سوچا تھا۔ شراب اور شہد سے پیدا ہونے والی گرمی ان کی روگوں سے ان کے گھنٹے تک منتقل نہ ہوئی اور وہ توازن نہ بن سکا جس کی ان کو امید تھی۔ اس کے عکس بلغم نے ان کے اعصابی نظام پر حملہ کر دیا اور یہ درود ان کے دماغ تک منتقل ہوا اور وہ دورہ پڑنے کے باعث وفات پا گئے۔ ستم ظریفی یہ کہ اب جب ان کی موت کے بارے میں لکھ رہے ہیں تو ان کی ایک تحقیق کا عنوان آنکھوں کے سامنے گھومتا ہے جس کا عنوان ہے بلغم کی علامات اور اچانک موت کی وجوہات۔ تاہم یہ ایک عظیم انسان کا انتہائی المناک لیکن جیرت انگیز طور پر موزوں اختتام تھا۔



## اقتباس: کتا اور چالیس ڈول پانی

ستھرے اور پا کیزہ ماحول کے بغیر قدر اعلیٰ کا تصور حوال ہے بلکہ ناممکن۔ محرومی کی بھی ہزار فنیں ہیں اور سوال کے بھی ہزار راستے ہیں سوال کے طارم محرومی کے گھونسلے سے نکلتے ہیں۔ جو سٹم محروم کے حق کا تحفظ نہیں کرتا اس میں سوال کا پیدا ہونا ایک فطری بات ہے۔ ایسے میں چینے والابھی ظالم ہے اور چھوٹے والا بھی ظالم ہوتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ ہمارا معاشرہ روز بروز ان حالتوں میں ترقی کر رہا ہے اور اس میں اضلال، تھکن اور نکست کی کیفیت بیدار ہوتی ہی چلی جا رہی ہے۔

سیاست و مذہب پیشتر لسانی اور زبانی پیشترے بازی اور سرابوں میں بھکنے اور بھکانے والا ایک مسلسل کھیل بن گیا ہے ابلاغ عامہ کے ادارے اندر سے کچھ اور اوپر سے کچھ، سستے اور عامیانہ پن کی منڈیاں، ٹیلی و ٹران گھسے پئے ڈراموں کا ایک جنگل، جہاں ڈرامہ نگار اور پروڈیوسر اعلیٰ استھانی طبقے کے لڑکے اور لڑکوں کے ذریعے نچلے اور متوسط پامال طبقے کی تفریج طبع کے بہانے ان ہی کے دکھنکھ کا مذاق اڑا کر انہیں بظاہر خوش کرتے ہیں اور آرٹ کے نام پر اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ نام و نمود کے یہ نمائش بازار کیا سرماید اور زمیندار اور جا گیر دردار کی اصلاح فرمائیں گے اور کیا غریب اور محروم کی زندگی کے سامان کریں گے۔ اب بڑائی کے، شرافت کے، نیکی کے اور خیر کے وہی نمائندے ہیں جن کے پاس طاقت ہے، مال ہے، اسباب ہیں وہ جن کے پاس ان میں سے کچھ نہیں وہ کچھ نہیں۔ ایسے میں علم و دانش کے تمام اسلوب اپنی ہی پامالی ہیں اور بس اب نجابت و شرافت کا بڑا دائرہ یا تو محروم ہے یا سائل ہے گویا عام افظوں میں یہ ہمارے عوام ہیں۔ میں ڈرتا ہوں اس وقت سے جب حقیقی نیکی و شرافت کے رہے سہے اعصاب ٹوٹ جائیں اور وہ بھی وہی حیلے اور حریبے اختیار کرے جو سوسائٹی کے اکثر بڑوں اور شریفوں نے اختیار کر رکھے ہیں۔ یہ جنگ جاری رہی تو آخوندوں اور غصے کے ایتم بم کب تک نہیں سپھیں گے۔ یہ طوفان ٹھہر سکتا ہے اور یہ سیلا بکب رک سکتا ہے۔ سنا ہے کسی گاؤں کے کنوئیں میں ایک کتا گر کے مرگیا اور مرا ہی نہیں بلکہ سڑ گیا۔ گاؤں کے لوگ کنوئیں کی حالت کو معمول پر لانے کے لیے ایک مفتی کی خدمت میں پہنچا اور فتوی طلب کیا۔ ارشاد ہوا چالیس ڈول پانی نکال دو۔ گاؤں کے مخصوص لوگ چالیس ڈول پانی نکال کر پھر مفتی کے پاس گئے۔ حضور چالیس ڈول پانی تو نکال دیا مگر پانی سے بو اور سڑا نہیں جاتی۔ مفتی نے پوچھا کتنا بھی نکالا۔ فرمایا جی نہیں۔ ہم بھی

کتاب: میں کھلی ہوئی اک سچائی

کے وہ کتنے نہیں نکالتے جن سے یہ کنوئیں سڑ رہے ہیں۔

## جو شیخ آبادی کی یادداشتیں اس کا برٹ امبل جواب رکھتی ہیں

ایک بار، پاکستان سے رخصت لے کر، میں جب وہی میں پہنڈت جواہر لال نہرو سے ملا، تو انہوں نے بڑے طنز کے ساتھ مجھ سے کہا تھا کہ جو شیخ اپاکستان کو اسلام، اسلامی کلچر، اور اسلامی زبان، یعنی اردو کے تحفظ کے واسطے بنایا گیا تھا۔ لیکن ابھی کچھ دن ہوئے کہ میں پاکستان گیا اور وہاں یہ دیکھا کہ میں تو شیر و انی اور پا جامہ پہنے ہوئے ہوں، لیکن وہاں کی گورنمنٹ کے تمام افسر، سو نیصد انگریزوں کا لباس پہنے ہوئے ہیں۔ مجھ سے انگریزی بولی جا رہی ہے اور انہیا یہ ہے کہ مجھے انگریزی میں سمجھ گیا کہ ”اردو، اردو، اردو“ کے جونغرے ہندوستان میں لگائے گئے تھے، وہ سارے اور پری دل سے اور کھوکھلے تھے۔ اور ایڈریس کے بعد جب میں کھڑا ہوا تو میں نے اس کا اردو میں جواب دے کر سب کو حیران و پشیمان کر دیا اور یہ بات ثابت کر دی کہ مجھ کو اردو سے ان کے مقابلے میں کہیں زیادہ محبت ہے۔۔۔ اور جو شیخ صاحب معاف کیجئے، آپ نے جس اردو کے واسطے اپنے طن کو تجھ دیا ہے، اس اردو کو پاکستان میں کوئی منہ نہیں لگاتا۔۔۔ اور جائیے پاکستان۔۔۔ میں نے شرم سے آنکھیں پتھی کر لیں۔ ان سے تو کچھ نہیں کہا، لیکن ان کی باتیں سن کر مجھے یہ واقعہ یاد آ گیا۔ میں نے پاکستان کے ایک بڑے شاندار منشہ صاحب کو جب اردو میں خط لکھا، اور ان صاحب بہادر نے انگریزی میں جواب مرحمت فرمایا تو میں نے جواب الجواب میں یہ لکھا تھا کہ جناب والا! میں نے تو آپ کو اپنی مادری زبان میں خط لکھا لیکن آپ نے اس کا جواب اپنی پدری زبان میں تحریر فرمایا ہے۔ (جو شیخ آبادی)

حکومت وقت کے لیے یہ ایک غیر سیاسی غیر جماعتی تجویز ہے

اردو کو توجیح دیں

ملک ترقی کرے گا

عبدالغفار





# ڈیمینشیا... ضعیف العمر افراد میں تیزی سے پھیلتا مرض

تحریر: لیاقت علی جتوئی

کہنا ہے کہ اس بیری کی وجہ سے اعصاب کو متاثر کرنے والے الزامر جیسے امراض کا علاج کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر کرشنہ کہنا ہے کہ بلڈ برین بیری، کوکھولنے سے ہم دماغ کے زیادہ اشوز تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں اور یوں علاج کو زیادہ موثر بنایا جاسکتا ہے۔ اس طریقہ میں ایم آر آئی کی مدد سے دماغ کے ان حصوں پر توجہ مرکوز کی گئی جو یادداشت اور پچان کا کام کرتے ہیں۔ ڈاکٹر کرشنہ کے مطابق، یہی وہ حصے ہیں جہاں الزامر کے مرضیوں میں زہریلی پروٹین جمع ہو جاتی ہیں، جنہیں ایسے لائیڈ کا نام دیا جاتا ہے۔ ایسے لائیڈ کی بڑی مقدار اور الزامر کے عارضے میں یادداشت کو نے کا آپس میں گہر اعلقہ ہے۔ محققین کا خیال ہے کہ یہ ممکن ہے کہ اس طریقہ کارکی مدد سے مرضیں کا اپنا خود دفاعی نظام اس زہریلی پروٹین، یعنی ایسے لائیڈ کی کچھ مقدار کو خود سے ختم کر سکے۔ اس طریقہ کار میں الٹرا ساؤنڈ لہروں کی مدد سے دماغ کے اس حصے کو سیگر اور پھیلایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر کرشنہ کہنا ہے کہ اس عمل سے بلڈ برین بیری، کو میکائیکی انداز میں کھولنے میں مدد ملتی ہے اور اس دوران مرضی بدستور ہوش میں رہتا ہے۔ بلڈ برین بیری کو کھولنے سے یہ بھی ممکن ہے کہ ایک روز ڈاکٹر مطلوبہ جگہ پر براہ راست دوا پہنچ سکیں۔

## ورزش الزامر سے بچاؤ کا ذریعہ

الزامر، ڈیمینشیا کی سب سے عام قسم ہے۔ ماہرین کے نزدیک ورزش کرنے سے دماغ کے خلیے متحرک ہوتے اور زیادہ تیزی سے کام کرتے ہیں، یہ یادداشت متعلق یماری الزامر کو ختم کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔ ایک نئی تحقیق بتاتی ہے کہ ورزش کرنے سے دماغ کی استعداد کو بہتر بنایا جاسکتا ہے۔ تحقیق کے مطابق ایسے عمر افراد جنہوں نے ورزش کو اپنی روزمرہ زندگی کا معمول بنایا، ان میں ثبت تبدیلیاں نوٹ کی گئیں۔ ایسے عمر افراد جنہیں یادداشت سے متعلق عارضوں کی شکایت تھی اور انہوں نے ورزش کو اپنی زندگی کا معمول بنایا، ان میں بھی دماغی طور پر بہتری کے آثار دیکھے گئے۔ ماہرین کہتے ہیں کہ ان پیاریوں کے عمر افراد پر بہت منفی اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ عمر افراد اپنی زندگیوں میں چند چھوٹی تبدیلیاں لا کر ثابت سمت میں قدم اٹھائیں۔ آئشریلیا کی جیمز لگک یونیورسٹی کے ماہرین کی جانب سے کی جانے والی ایک تحقیق میں 83 عمر افراد کو شامل کیا گیا۔ تحقیق میں حصہ لینے والے عمر افراد کی عمر 60 سے 88 برس تھی۔ ان عمر افراد کو دو گروپوں میں بانٹا گیا۔ ایک گروپ کو روزانہ 30 منٹ ورزش کرنے کا کہا گیا جبکہ دوسرے گروپ کے عمر افراد نے ورزش نہیں کی۔ پروگرام کے آخر میں نوٹ کیا گیا کہ جن عمر افراد نے ورزش کو اپنا معمول بنایا ان کی ہفتی استعداد ان کے دیگر ساتھیوں کی نسبت کہیں بہتر تھی۔



دنیا بھر میں ڈیمینشیا بڑی عمر کے افراد میں تیزی سے پھیلتا ہو طبی مسئلہ ہے۔ اندازہ ہے کہ اس وقت دنیا میں 5 کروڑ افراد اس مرض میں بنتا ہیں اور خدشہ ہے کہ آئندہ تین دہائیوں میں ایسے افراد کی تعداد تین گناہ بڑھ جائے گی۔ عمر میں اضافے کے ساتھ باقاعدہ ورزش، صحت بخش خواراک، بلڈ پریشر معمول کے مطابق برقرار رکھنا، کویسٹروں اور بلڈ شوگر کو صحیح منسٹر پر برقرار رکھنا، ایسے عوامل ہیں جو ڈیمینشیا کی روک تھام میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ ڈیمینشیا، بڑھاپے میں انسانی دماغ اور اعصاب کی کارکردگی کو متاثر کرنے والی ایک ایسی بیماری ہے، جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ شدید تر ہوتی جاتی ہے۔ یادداشت کا چلنے والا ڈیمینشیا کا سب سے عام پہلو ہے، جس میں بالخصوص حال ہی میں پیش آنے والے واقعات کو یاد کرنے میں مشکل پیش آتی ہے۔ اس کی دیگر علامات میں انسان کے رویوں، موڈ اور شخصیت میں تبدیلی شامل ہے۔ متاثرہ شخص جانی پہچانی جگہوں پر کھو جاتا ہے اور اگلے کے دوران درست الفاظ بھول جاتا ہے۔ کچھ افراد میں بات اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ ان سے یہ فیصلہ نہیں ہوا تاکہ انہیں کچھ کھانا پینا بھی ہے یا نہیں۔ ماہرین کے مطابق اس میں کوئی شب نہیں کہ بڑھتی عمر ڈیمینشیا کا باعث بن سکتی ہے اور یوں عمر میں اضافہ یادداشت کے لیے خطرے کا باعث ہو سکتا ہے۔ تحقیق اور ترقی کے نتیجے میں دنیا میں لوگوں کی عمر میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس لیے صحت کے ادارے اور تحقیق کارڈیمینشیا کی روک تھام، خاتمے اور علاج معاہدے کے طریقوں پر غور کر رہے ہیں۔ ان کے سامنے الزامر کا مرض بھی ہے جو ڈیمینشیا کی انتہائی عام قسموں میں سے ایک ہے۔ ڈاکٹر و تھیور کرشنہ، ریاست اور ایئر ویکسٹر میڈیکل سینٹر کے نیوروسرجن ہیں۔ انہوں نے ڈیمینشیا کے علاج کے لیے ایک نئے طریقے کو آزمائے کا آغاز کی، جو الزامر کے ابتدائی مرحلہ میں مرضیوں کا علاج کر سکتا ہے۔ ڈیمینشیا کے علاج کے لیے اس نئے طریقہ کار میں ساؤنڈ و یوز کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اس میں الٹرا ساؤنڈ و یوز کی مدد سے ہدف بناتے ہوئے بلڈ برین بیری، کو کھولا جاتا ہے۔ بلڈ برین بیری ایک حفاظتی تھہ ہے، جو دماغ کو نیکیشتر سے محفوظ رکھتی ہے۔ تاہم، ڈاکٹر کرشنہ کا